رموزِ فلکیات

موسوم

جدید فلکیاتی و تحقیقی مباحث

اسلامی وفنّی تناظر میں

تالیف

شیخ الحدیث
مولانا حبیب اللہ نعمانی
جامعہ اسلامیہ الائی بزارہ

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین، آیت، 40)

تمام (اجرام فلکی) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں

رموزِ فلکیات

یعنی

جدید

فلکیاتی و تحقیقی مباحث

اسلامی تناظر میں

تالیف

مولانا حبیب اللہ نعمانی بن مولانا غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ

رموزِ

فلکیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوٹ: یہ کتاب امت مسلمہ کی خدمت میں جذبۂ خیر اور اشاعتِ علم کی غرض سے پیش کی جارہی ہے۔ ہر مسلمان اسے کسی ترمیم و تنسیخ کیے بغیر مصنف کی اجازت سے برائے افادہ واستفادہ چھپوا سکتا ہے۔

- نام کتاب: جدید فلکیاتی و تحقیقی مباحث / رموزِ فلکیات
- مصنف: مولانا حبیب اللہ نعمانی صاحب
- اشاعتِ سوم: 2020ء
- تعداد: 1100
- کمپوزنگ: مولوی ضیاء الرحمن، کنائی، جامعہ اسلامیہ الائی
- ناشر: مولانا حبیب اللہ نعمانی جامعہ اسلامیہ، بنہ الائی
- یکے از مطبوعات: جامعہ اسلامیہ الائی ضلع بٹگرام، ہزارہ ڈویژن، خیبر پختون خوا

ملنے کے پتے

1. دفتر جامعہ اسلامیہ الائی ضلع بٹگرام، ہزارہ ڈویژن۔
2. اسلامی کتب خانہ نزد سول ہسپتال، بنہ بازار، تحصیل الائی۔
3. ملک سٹیشنری، کشمیر روڈ، مانسہرہ۔ فون: 0997304708
4. سرحد بک ڈپو اینڈ سٹیشنری، مین بازار بٹگرام۔
5. سلیمان سٹیشنری مارٹ، کشمیر روڈ مانسہرہ۔
6. اسلامیہ کتب خانہ، اڈا گامی، زربت مارکیٹ، ایبٹ آباد۔
7. مکی دارالکتب 37 مزنگ روڈ بک سٹریٹ لاہور۔
8. مسجد تقویٰ ایف بلاک پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی غازی روڈ لاہور کینٹ۔
9. طیب پبلشرز، 33 حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔
10. مولانا رفیع اللہ شاہ صاحب، نگران کاوش سنٹر، جرید، کاغان روڈ تحصیل بالا کوٹ۔

بسم الله الرحمن الرحيم

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
1	انتساب	1.
2	تقریظ	2.
3	کلمۃ التھنئۃ والتشکر	3.
4	عرضِ مؤلف	4.
9	اظہار تشکّر (طبع ثانیہ)	5.
11	تعارف و تبصرہ	6.
18	مقدمہ	7.
21	(الف) نظام سماوی سے متعلق آیات	8.
21	1. عقل و مشاہدے کے استعمال کی دعوت:	9.
23	2. ستون کے بغیر آسمان کی طرف توجہ دلائی:	10.
25	3. سورج اور چاند خدائی نشانیاں ہیں:	11.
26	4. انسان کے لیے شمس و قمر تسخیر کائنات کے مظاہر ہیں:	12.
27	5. حساب کتاب میں فطری آسانی:	13.
30	قمری تقویم کی اہمیت:	14.
32	1- شمس و قمر کا ارکانِ اسلام سے تعلق:	15.
33	2- قمری تقویم کی خصوصیت اور انفرادیت:	16.
38	(ب) علمِ فلکیات میں مسلمانوں کی خدمات کا مختصر جائزہ	17.

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.18	تعارفِ فلکیات:	38
.19	1- فلکیات میں غور وفکر، معرفت الٰہی کا ذریعہ:	38
.20	2- مسلم سائنسدانوں کا یونانی علم ہیئت کی اصلاح اور اضافہ:	39
.21	3- اہلِ یورپ کی علم دشمنی:	41
.22	4- فلکیات کے میدان میں مسلم سائنسدانوں کی خدمات وتحقیقات:	44
.23	5- عیسائی اہل علم کا مسلمان اہل علم سے رویہ:	47
.24	6- عہدِ حاضر میں مسلمان اہل علم کی علمی تنزلی کی وجوہات:	49
.25	7- فلکیات کے میدان میں پاکستانی علماء کی علمی کاوشیں:	50
.26	کلماتِ افتتاح	52
.27	بابِ اول: تَحْقِيقُ الْمِيْلَادْ بِتَنْسِيْقِ الْاَعْدَادْ	54
.28	ولادت، نبوت، ہجرت اور وفاتِ نبوی ﷺ کا تعیّن	54
.29	ابجدی تقویم کا کامیاب تسلسلِ زمانی:	55
.30	استفادہ کا طریقہ:	56
.31	آپ ﷺ کی تاریخِ وصال	58
.32	آپ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے متعلق تحقیق	59
.33	قیامِ نبوی بعالمِ دنیاوی	62
.34	نقشۂ طیبہ	62

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
63	باب دوم: اَحْسَنُ الْمَقَالُ فِی رُؤْیَۃِ الْھِلَالُ	35.
63	(رؤیت ہلال اور اس کے متعلق اہم مباحث)	36.
64	چاند کی مختلف حالتیں:	37.
66	عمومی مغالطہ:	38.
68	رؤیت ہلال کے متعلق شرعی نقطہ نظر	39.
69	رؤیۃ ہلال کے اہم قواعد:	40.
70	تحریری اطلاع:	41.
74	بذریعہ ٹیلیفون اطلاع:	42.
74	ریڈیو، ٹی وی کی خبر:	43.
75	چاند دیکھنے کے لئے جہاز اور دور بین کا استعمال	44.
76	رؤیت ہلال کے عمومی طریقے:	45.
78	فلکی آلات وحسابات کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نقطہ ہائے نظر	46.
85	تصویر کا دوسرا رخ (فلکیاتی حساب کا کسی حد تک اعتبار)	47.
89	اقوال فقہاء کا موازنہ	48.
89	رؤیت ہلال میں فلکیاتی تحقیق کی حیثیت	49.
91	فلکی معلومات کے مختلف درجات:	50.
91	حسابات کے اختلاف کی بنیاد پر رد یا شہادت کا شرعی ضابطہ:	51.

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.52	حدیث شریف کا درست مطلب:	94
.53	حقیقت رؤیت ہلال	95
.54	(رؤیتِ ہلال کے فنی طریقوں کا علمی جائزہ)	95
.55	نیا چاند(New Moon):	97
.56	وجودِ قمر:	97
.57	امکانِ رؤیت:	98
.58	نوٹ:	98
.59	وقوعِ رؤیت:	98
.60	خلاصۂ عبارت:	100
.61	رؤیت کے وقت چاند کے احوال	102
.62	کیا ایک مقام کی رؤیت تمام دنیا کے لئے کافی ہے؟	103
.63	عہد نبوی ﷺ سے استدلال:	105
.64	حدیث فَاقدِرُ والہ سے غلط استدلال:	106
.65	غیر معتدل ممالک کے لئے چاند کا شرعی حکم:	109
.66	باب سوم: اختلافِ مطالع سے متعلق علماء وفقہاء کی آراء	111
.67	ایک اہم نکتہ:	112
.68	اس بابت علماء کی آراء مختلف ہیں۔	112

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.69	اختلافِ مطالع میں فقہائے احناف کا نقطۂ نظر	120
.70	کیا ساری دنیا میں ایک ہی دن عید ہو سکتی ہے؟	125
.71	اختلافِ مطالع کی حکمت:	127
.72	مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء کا فیصلہ	129
.73	پاکستان میں رؤیت ہلال کے فیصلے کے لئے قانونی نظام	131
.74	حکومت کی طرف سے رویت ہلال کے لیے قانونی نظام کی تشکیل	132
.75	پہلی کمیٹی کے ارکان	132
.76	کمیٹی کے لیے قواعد وضوابط	133
.77	بعد میں کی گئیں تبدیلیاں	134
.78	رؤیت ہلال کمیٹی کے سربراہان:	135
.79	کمیٹی کے چیئرمین اور ارکان کو حاصل مراعات:	136
.80	تعیناتی اور برطرفی کا اختیار:	137
.81	رؤیت کی خبر قبول یا مسترد کرنے میں شدت یا تساہل؟	137
.82	سعودی عرب کی رؤیت پر فیصلہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟	138
.83	احتیاط:	140
.84	اختیارات کے ارتکاز کے بجائے اختیارات کی تقسیم اور منتقلی	140
.85	چند اہم تجاویز:	141

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.86	نجی کمیٹیوں کے خلاف کارروائی:	142
.87	امکانِ رؤیت کی پیش گوئی	144
.88	نئے چاند کا چھوٹا بڑا ہونا:	145
.89	ایک غلط فہمی کا ازالہ:	147
.90	مستقل ہجری کیلنڈر کا مسئلہ:	148
.91	قمری کیلنڈر	151
.92	باب چہارم: تعوین الملۃ علیٰ تعیین القبلۃ	172
.93	(سمتِ قبلہ کا تعیّن)	172
.94	سمت قبلہ معلوم کرنے کے طریقے	178
.95	پہلا طریقہ:	178
.96	دائرہ ہندیہ	179
.97	قبلہ نما برائے بٹگرام (ہزارہ)	180
.98	موسم سرما	180
.99	موسم بہار و خزاں	180
.100	موسم گرما	180
.101	دوسرا طریقہ:	182
.102	چاروں سمت قبلہ والا مقام:	183

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.103	لحوظہ (نوٹ):	183
.104	استبلاءالذکآء باستعلاءالذُکآء	185
.105	زاویۂ سورج یعنی سورج کی بلندی معلوم کرنا	185
.106	طریقۂ اوّل:	185
.107	مثلث کے نقشے	186
.108	طریقۂ ثانی:	188
.109	فوائد:	189
.110	کلیہ برائے عرض بلد:	189
.111	مثال:	189
.112	ارشادالفھیم الٰی معرفۃالتقویم	193
.113	دنیامیں رائج مختلف کیلنڈوروں کا مختصر جائزہ	193
.114	سال کی دو قسمیں ہیں: ایک شمسی دوسرا قمری۔	194
.115	ہندوستان کا بِکرمی حساب	196
.116	قمری سال اورتاریخی حقائق	198
.117	فلکی حساب کی قدامت:	198
.118	قمری سال سے شمسی سال معلوم کرنے کا طریقہ	200
.119	کلیہ:	200

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
.120	کلیہ:	200
.121	طلوع چاند کا دن معلوم کرنے کا طریقہ	204
.122	آئندہ یا گزشتہ تاریخ کا دن معلوم کرنے کا طریقہ	205
.123	باب پنجم: تحثیث العالم علیٰ تحسیس العالم	206
.124	(علمِ جغرافیہ کے چند پہلو)	206
.125	زمین کا تعارف:	206
.126	بین الاقوامی تعیینِ تاریخ کی حدود کا نقشہ	209
.127	(انٹر نیشنل ڈیٹ لائن)	209
.128	خطوطِ طول البلد اور عرض البلد کی اہمیت:	210
.129	زمین کی محوری حرکت کے اثرات:	212
.130	منطقہ حارہ (گرم علاقہ):	214
.131	منطقہ باردہ (ٹھنڈا علاقہ):	214
.132	منطقہ معتدلہ:	215
.133	خشکی کے پہلو سے دنیا کی تقسیم	216
.134	آبی حساب سے دنیا کی تقسیم	217
.135	زیرِ آب سرنگ:	218
.136	دنیا کی آبادی	219

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
221	2017 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی کا تفصیلی چارٹ:	.137
222	آبادی کے لحاظ سے دنیا کے 10 بڑے ممالک	.138
223	رقبے کے لحاظ سے دنیا کی بڑی بڑی مملکتیں	.139
224	حبیبیات	.140
225	حمدِ باری تعالیٰ	.141
226	خطاطی	.142
226	اسمِ اللہ جل جلالہ	.143
227	اسمائے مبارکہ	.144
228	کلمہ طیبہ	.145
229	آیتِ مبارکہ (خطِ ثلث)	.146
230	طغری، تسمیہ و کلمۂ طیبہ، بصورتِ کلاشنکوف	.147
231	طغریٰ، کلمۂ طیبہ بصورتِ نقشہ پاکستان	.148
232	نام محمد ﷺ (خطِ ثلث)	.149
233	مرثیہ جات	.150
233	وقتِ انتقال مولانا غلام سرور رحمہ اللہ	.151
234	القصیدۃ السدیدۃ	.152
235	گلہاء تر	.153

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
236	اَزہارِ عقیدت برائے اِظہارِ محبت	.154
237	مصادر و مراجع	.155
237	کتب تفسیر (عربی)	.156
237	(اردو)	.157
236	کتب حدیث و شروح حدیث (عربی)	.158
238	کتب فقہ (عربی)	.159
239	(اردو)	.160
239	متفرقات	.161

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

یہ ارمغانِ علمی عقیدت کی طشتری میں نہایت ادب کے ساتھ، نامور ماہر فلکیات
عالم باعمل، فاضلِ دیوبند، والد محترم، استاذ مکرم

حضرت **مولانا غلام سرور** رحمہ اللہ

اور

اپنے تلامذہ واحباب کے نام
جو اس فن کی ترویج و تنشیر میں شاغل وشاغف ہیں

بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانی عفاعنہ الغنی
خادم جامعہ اسلامیہ الائی بنہ

تقریظ

از

فخر الاماثل، جانشین امام اہلِ سنت، مفکر اسلام، مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم، ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

قرآن کریم نے ''وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ'' فرما کر مؤمنین اور اولوالالباب کی صفات میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق اور اس کی مقصدیت پر غور کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فلکیات کے عنوان سے علم کا یہ شعبہ شروع سے ہمارے ارباب علم وفضل کی تگ وتاز کی جولانگاہ چلا آرہا ہے اور خلافتِ عباسیہ کے ساتھ ساتھ اندلس کی اموی حکومت کے دور میں اس کی تعلیم و تحقیق ہمارے نظامِ تعلیم کا حصہ رہی ہے جو تدریس کی حد تک برصغیر میں صدیوں سے رائج درس نظامی میں بھی شامل تھی۔

مگر اب کچھ عرصہ سے چند اصحابِ ذوق کی انفرادی محنت تک محدود ہو کر رہ گئی ہے ، حالانکہ آج کے دور میں جو سائنس کا دور کہلاتا ہے، اس کی ضرورت وافادیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے، اور یہ تقاضہ مسلسل بڑھ رہا ہے کہ سائنس کو دین سے انحراف کے ماحول سے نکال کر آسمانی تعلیمات کے مؤید اور خدمت گزار علم کے طور پر دوبارہ سامنے لایا جائے جو اس کا اصل مقام وکردار ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا حبیب اللہ نعمانی نے ''جدید فلکیاتی تحقیقی مباحث'' کے عنوان کے ساتھ متعلقہ معلومات کا قابل قدر ذخیرہ مرتب کرکے اس احساس کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے نفع بخش بنائیں۔ آمین

ابو عمار زاہد الراشدی، خطیب مرکزی جامع مسجد شیر انوالہ باغ گوجرانوالہ

26/3/2020

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیمِ

کلمة التهنئة والتشکر

(الحافظ فضل الهادي من آلائي هزاره)

حَمِدْنَا اللّٰهَ فِیْ بَدْءِ الْكَلَامِ وَصَلَّيْنَا عَلٰی خَيْرِ الْأَنَامِ
فَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ الْجَلِيْلِ عَلٰی أَصْحَابِ مَوْلَانَا الْجَمِيْلِ
هُمُ الْأَسْلَافُ عِنْدَاللّٰهِ فَازُوْا تَنَوَّرَ مِنْ جُهُوْدِهِمُ الْحِجَازُ
تَلَقّٰی مِنْهُمُ عِلْمَ الْكِتَابِ أَكَابِرُنَا الْجِبَالُ بِلَا ارْتِيَابِ
وَفَاقَ مَشَايِخِيْ فِی كُلِّ فَنٍّ وَكَانُوْا لِلْهُدٰی مِنْ صِغْرِ سِنٍّ
وَكَانَ مِنَ الْكِرَامِ غُلَامُ سَرْوَرْ[1] حَبِيْبُ اللّٰهِ نَجْلُهُمُ الْمُوَقَّرْ
فَصَنَّفَ شَيْخُنَا الْمَوْلٰی حَبِيْبٌ[2] كِتَابًا شَأْنُهٗ بَدْرٌ عَجِيْبٌ
هَنِيْئًا أَيُّهَا الشَّيْخُ النَّبِيْلُ لَقَدْ سَهَّلْتَ عِلْمًا يَاعَقِيْلُ
وَشُكْرًا لِلسَّعِيْدِ[3] مَعَ الضِّيَاءِ[4] وَبَارَكَ فِيْكُمُ رَبُّ السَّمَاءِ
يُنَادِيْ فَضْلُ هَادٍ[5] يَاكِرَامُ تَعَالَوْا نَسْتَفِدْ قُرْبَ الْمَرَامُ
لِتَأْرِيْخِ الطِّبَاعَةِ مِنْ جَدِيْدٍ أَرٰی "فَضْلَ الْمَتِيْنِ[6]" مِنَ الرَّشِيْدِ
وَصَلّٰی اللّٰهُ دَوْمًا ثُمَّ سَلَّمْ عَلَی مَاحِی الضَّلَالِ هُوَ الْمُكَرَّمْ

---

[1] ۔ استاذ گرامی مولانا حبیب اللہ نعمانی مدظلہ العالی کے والد گرامی، جامع المعقول والمنقول مولانا غلام سرورؒ فاضل دیوبند، المتوفی ۱۴۱۷ھ بانی جامعہ اسلامیہ آلائی۔

[2] ۔ ماہر علوم فلکیات جدیدہ وقدیمہ، استاذ الخطاطین، مدرس المعقول والمنقول مولانا حبیب اللہ نعمانی مدظلہ العالی جامعہ اسلامیہ آلائی۔

[3] ۔ مولانا حافظ محمد سعید عاطف مدظلہ العالی، جامعہ فتحیہ لاہور، پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔

[4] ۔ برادر مکرم مولانا ضیاء الرحمن حفظہ اللہ، کنائی آلائی، فاضل جامعہ دار العلوم کراچی۔

[5] ۔ حافظ فضل الهادي، بوجھڑی آلائيِ، خادمِ تدریس جامعة نصرة العلوم، نائب خطیب مرکزی جامع مسجد شیر انوالہ باغ گوجرانوالہ۔

[6]-مادہ تاریخ طباعت سوم:" فَضْلُ الْمَتِیْنِ ": "910+531=1441ھ"

عرضِ مؤلف

---برموقع طبع ثالث---

کتاب مذکور کا نیا ایڈیشن پیش خدمت ہے اس میں کوشش کی گئی ہے کہ جن جن مباحث پر کچھ تشنگی محسوس ہوئی، کچھ حوالوں سے کمی کا احساس ہوا، اس کا اضافہ کیا جائے، اسی طرح کچھ اہل علم نے ہمیں متوجہ کیا کہ فلاں موضوع ہے جو تشنۂ تکمیل ہے اس کے فلاں زاویہ پر بحث کی جائے، اسی طرح مختلف علماء کرام نے کہا کہ فقہائے احناف کے دلائل کے موازنہ اور تقابل کا سارا پس منظر سامنے ہو تو اس علمی تناظر و تقابل سے فقہائے احناف کی بات کی گہرائی کا پتہ چل سکے گا۔ اس لیے اس بحث میں کچھ ضروری علمی اضافے کیے گئے ہیں۔

اس فن سے متعلق ایک اہم بحث رؤیت ہلال میں جدید آلات کا استعمال اور ان سے استمداد ہے اس میں جو کچھ تحقیقی مواد میسر تھا اسے اسلاف کی کتب سے لے کر یکجا کر دیا ہے اس سے ہمیں دونوں جانب کے موقف کو سمجھنے میں بہت سہولت حاصل ہو گی اور اسلاف کی گراں قدر تحقیقات اور علمی گہرائی کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔ ''اختلاف مطالع'' اس موضوع کا ایک اہم مبحث ہے۔ متقدمین احناف کے ہاں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں وہ ایک جگہ کی رؤیت کو پورے عالم کی رؤیت قرار دیتے ہیں جبکہ متاخرین فقہائے احناف اور دیگر آئمہ کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے۔ اس پر جو دستیاب مواد تھا اسے ایک خاص ترتیب سے جمع کر کے اہل علم کے سامنے رکھ دیا ہے یہ بھی ایک خاصے کی چیز ہے۔

اسی طرح کچھ دیگر فنی مباحث اور جدید چیزیں جو رؤیت ہلال ہی سے متعلق تھیں ان کا اضافہ کیا گیا ہے ہمارے دوست مولانا حافظ سعید عاطف صاحب کی کچھ علمی تجاویز تھیں جن کو ہم نے کتاب میں شامل کر کے ان کے ذوق کی تسکین کی سعی کی ہے اور ہر پہلو سے کوشش یہی ہے کہ اس کتاب کو بہتر سے بہتر بنا کر اہلِ علم کے سامنے رکھا جائے۔ آج

کے دور کے المیوں میں سے ایک المیہ یہ ہے کہ آج رؤیت ہلال اور اس کا اہتمام جو قرونِ اولیٰ کا معمول تھا، وہ ختم ہوتے ہوتے اب معدوم ہونے کے قریب آگیا ہے۔

اللہ بھلا کرے جامعۃ الرشید اور کچھ ایسے دینی اداروں کا اور معدودے چند دینی شخصیات کا جنہوں نے اس کا اہتمام کررکھا ہے اس طرح سے یہ فن ایک مرتبہ پھر اہلِ علم کے سامنے آنا شروع ہوا اور اس میں دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔ (الحمدللہ)

اس فن کا تعلق چونکہ ہمارے دینی فرائض ، روزہ، حج، رضاعت اور عدت وغیرہ سے ہے اس لیے یہ ختم تو ہو سکتا نہیں، بس ہوتا یوں ہے کہ اہل علم کی توجہ دیگر علوم کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے اور اس علم کی طرف قدرے کم۔ یہ کتاب اسی ذیل میں بطور تذکیر پیش کی جارہی ہے اور اسکا **مقصد** یہی ہے کہ اس نظرانداز شدہ علم کی طرف ہم دوبارہ متوجہ ہوں۔ **دوسرا مقصد** یہ ہے کہ آج کل ہمارے جدید فضلاء اور علماءِ دین کے سامنے جب ماہرین فلکیات مختلف حوالوں سے بحث کرتے ہیں تو وہ حیرت سے ان کا منہ تکتے رہتے ہیں اور اس معاملے میں بالکل صفر کی سطح پر کھڑے ہوتے ہیں، لیکن علماء جب فلکیاتی کتب یا میری یہ حقیر کتاب پڑھیں گے انہیں کئی پہلوؤں سے فائدہ ہوگا اور ان شاء اللہ وہ اہل علم کے سامنے پوری جرأت اور علمی دیانت کے ساتھ اپنے موقف کو علمی انداز میں پیش کرسکیں گے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ اس کتاب کو علمی نقد و نظر میں تول کر دیکھیں۔

یہ کتاب دراصل متعدد مضامین و موضوعات کا مجموعہ ہے۔ اب اشاعتِ سوم کے موقع پر اس میں متعدد اہم مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ترتیب کے حوالے سے اسے پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کی علمی بحث میں کئی مفید اضافے کئے گئے ہیں۔

باب اول : اس میں خاتم النبیین ﷺ کی تاریخِ ولادت اور آپ کے سانحہ ارتحال، نبوت اور ہجرت کی تواریخ کے تعیّن کی مختلف علمی پہلوؤں سے کوشش کی گئی ہے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ کچھ عقلی ابحاث اور حسابی کلیوں کی مدد سے اپنا مدعا پیش کیا ہے۔

بابِ دوم: پچھلے ایڈیشن میں رؤیتِ ہلال کے متعلق چند اقوالِ فقہاء ذکر کئے گئے تھے اس ایڈشن میں مزید اقوال کی شمولیت سمیت ان فقہاءِ کرام کے متنوّعہ دلائل کا موازنہ کر کے راجح اقوال متعیّن کئے گئے ہیں۔اسی طرح ولادتِ قمر اور روّیتِ ہلال کے مختلف قواعد واصول بیان کیے گئے ہیں جن کی روشنی میں روّیتِ ہلال سے متعلق امور بخوبی واضح ہو گئے ہیں۔

باب سوم: اس میں اختلافِ مطالع کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔اِس ضمن میں متقدمین احناف اور متاخرین کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس ضمن میں برصغیر کے فقہی ادب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ "دار العلوم دیوبند"، "ندوۃ العلما" اور "مجلس تحقیقات اسلامی" کے علمی ذخیرہ سے بھی بقدرِ ضرورت استشہاد کیا گیا ہے۔اس بحث میں مفتی منیب الرحمان صاحب، مولانا سیف اللہ خالد رحمانی صاحب، مولانا ثمیر الدین القاسمی صاحب اور ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب کی تحقیقات سے بھی ضروری مدد لی گئی ہے۔اِس باب کے آخر میں بیس سالہ قمری کیلنڈر بھی شامل کیا گیا ہے۔

باب چہارم: اس میں سمتِ قبلہ کے تعیّن سے متعلق ابحاث میں مختلف طریقوں کا بیان ہے۔دائرہ ہندیہ اور زاویہ ارتفاعِ شمس کی پہچان کے لئے مثلث کے نقشے بنائے گئے ہیں۔ اس باب میں مختلف عالمی کیلنڈروں کا علمی وتاریخی جائزہ لیا گیا ہے اور قمری کیلنڈر کا امور شرعیہ کے لئے میزان ہونے کے ساتھ ساتھ آسان اور قریب الفطرت ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

باب پنجم: اس میں علمِ جغرافیہ سے متعلق ضروری ابحاث ہیں۔کچھ اعداد وشمار ہیں جنہیں ضروری اضافوں سے مزین کیا گیا ہے۔خطوطِ طول البلد وعرض البلد کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔آخر کتاب میں **حبیبیات** کے عنوان سے میری خطاطی کے نمونے ہیں جنہیں خطاطی کے مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔ان میں، خطِ ثلث، خط نستعلیق، خطِ کوفی اور خطِ نسخ کے

نمونے اہم ہیں۔ کلمہ طیبہ ،تسمیہ اور اسماء مبارکہ کے کچھ طغرے بھی شائقینِ فن کی خدمت میں بغرضِ تسکینِ خاطر پیش کئے گئے ہیں۔

اس فنِ خطاطی میں جو بھی خوبی ہے وہ میرے استادِ محترم سید الخطاطین سید نفیس شاہ رحمۃ اللہ علیہ نفیس رقم کی شاگردی کا فیض ہے۔ اِسی طرح شاعری کے حوالے سے اپنے بزرگوں کی یاد میں مختلف مرثیہ جات تھے جو اشک ہائے غم سے لکھے گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ میری یہ کتاب اس فن میں میرے برسہابرس کے مطالعے اور تحقیقات کا نچوڑ ہے۔

اس کتاب کے لیے حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے ہم ممنون ہیں کہ انہوں نے وقیع علمی تقریظ سے نوازا۔ نیز اس کتاب کی تیاری میں میرے شاگرد ارشد جناب مولانا فضل ہادی صاحب ''نائب خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ ،مدرس نصرۃ العلوم''میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے خداداد علم کی بدولت ایک بہترین عربی نظم بھی اس کتاب کے متعلق بھیجی، میں ان کا شکر گزار ہوں۔

اِس ایڈیشن کی تیاری میں میرے قدیم دوست اور بھائی پروفیسر مولانا حافظ سعید عاطف صاحب کا خصوصی تعاون حاصل رہاہے۔ اُن کے مفید مشوروں کی بدولت کتاب کی افادیت میں متعدد پہلوؤں سے اضافہ ہو گیاہے۔

اس کتاب کی کمپوزنگ اور سیٹنگ میں میرے شاگردِ رشید مولوی ضیاء الرحمان صاحب کی خصوصی محنتیں شامل رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی مصروفیتوں اور خانگی پریشانیوں کے باوجود اس کتاب پر کام کو اوّلیت دی اسی طرح میرے ایک اور شاگرد مطیع مولوی رفیع اللہ جوہر (پرنسپل الجامعہ پبلک سکول الائی بنہ) نے بھی اس کارِ خیر میں حتی المقدور حصہ لیا ہے خصوصاً اس کی تصحیح میں اس نے بڑی محنت کی ہے۔ الغرض میں مذکورہ بالا تمام معاونین و مخلصین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں میری دعاہے کہ خداوندِ قدوس سب احباب کو ان کی محنت ومعاونت کا دوگنا چوگنا صلہ عطا فرمائیں اٰمین۔

اہلِ علم و فن کی خدمت میں یہ علمی ارمغان پیش کرتے ہوئے تشّکر اور نشاط کی کیفیتوں سے دوچار ہوں۔اِس فن میں میرے اولین استاد، میرے والد مرحوم تھے۔اللہ اُن کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔اور اُن کی علمی یادگار "جامعہ اسلامیہ بنّہ، الائی" کے علمی فیض و برکات کو تادیر جاری رکھے۔

آخر میں اہل علم و فن سے ملتمس ہوں کہ وہ کسی بحث میں تسامح دیکھیں یا کسی مقام پر کوئی کمی محسوس کریں یا کسی پہلو سے اضافے و توضیح کی ضرورت محسوس کریں تو انہیں اس طرح کی اصلاح کرنے کی بصد شکریہ اجازت اور دعوت ہے۔میں اُن کی اصلاح کو قبول بھی کروں گا اور آئندہ ایڈیشن میں اسے شاملِ کتاب بھی کروں گا ان شاءاللہ العزیز۔

بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانی عفاعنہ الغنی

خادمِ جامعہ اسلامیہ الائی بنہ، فون:03459484536

14اگست،2020

اظہار تشکّر (طبع ثانیہ)

فلکیات اور اس کے متعلقات کے اس علم پر ایک عرصہ سے غور وخوض جاری تھا اس لئے میں نے متعدد، کتب اور شخصیات سے جو اخذ واستفادہ کیا اس حاصل مطالعہ کو بصورت تالیف اہل علم کے سامنے پیش کر دیا تھا، اس پر متعدد محسنین نے حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ مفید مشورے بھی عنایت کیے جن کے سبب اس تالیف میں کئی ترمیمات اور متعدد اضافے ہوتے چلے گئے، اور کئی حوالوں سے متعدد ابحاث میں نئے اعداد وشمار کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اشاعت ثانیہ کی تیاری ایک عرصہ سے جاری تھی اور نئے اعداد وشمار کے ساتھ ساتھ متعدد نئے پہلوؤں سے اضافے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس لئے اس کتاب کو اب اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں جدید اعداد وشمار، حساباتی کلیے اور دیگر جدید معلومات میں جزئیات تک کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاہم غلطیوں، کوتاہیوں کی گنجائش بہر حال ایسے کاموں میں رہ جاتی ہے۔ اہل علم وفن سے امید واثق ہے کہ وہ اس تالیف پر نقد وتبصرہ کے ساتھ ساتھ اصلاحی مشوروں سے نوازنے کا احسان بھی فرمائیں گے۔

اشاعت ثانیہ کی تیاری کے موقع پر برادر محترم مولانا پروفیسر حافظ محمد سعید عاطف صاحب زید مجدھم نے جس عرق ریزی اور ژرف نگاہی کے ساتھ نظر ثانی کی ہے اور جا بجا نئے نکات و مفید معلومات کا اضافہ فرمایا ہے اور اس کتاب کی ترتیب وتزئین نئے انداز سے کی ہے، جس کی بدولت کتاب کو ایک نئی صورت مل گئی ہے اور اس کی افادیت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ہمارے اصرار پر انہوں نے علم فلکیات، پر جو فاضلانہ مقدمہ رقم فرمایا ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ اس فن میں مسلمانوں کی خدمات اور مغربی دنیائے علم کی جانب سے اس کا اعتراف اور اس

سے اہل مغرب کے استفادے کا انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے۔اس پر میں ان کا خصوصی طور پر سپاس گزار ہوں۔ علاوہ ازیں میں ان کا اور ان کے خصوصی معاون اور ہمارے مشفق بزرگ محمد بشیر قاضی صاحب ساکن لاہور کی فنی معاونت اور دیگر معاونین کا بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شاکر و ممنون ہوں۔اس کے ساتھ ساتھ میں برادر محترم اور اس کتاب کے کمپوزر مفتی عمران طارق صاحب جو لاہور کی قدیم ترین علمی درسگاہ جامعہ فتحیہ کے معلم ہیں،اوراپنی علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی تزئین و تصحیح اور تشکیل میں ان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا میں ان کے لئے ممنون و شکر گزار ہوں۔اسی طرح مولوی رفیع اللہ جوہرؔ پرنسپل الجامعہ ماڈل پبلک سکول الائی بنہ اور مولوی ضیاء الرحمٰن مدرسِ جامعہ اسلامیہ الائی بنہ برانچ کنائی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے کتاب کی کمپوزنگ اورپروف کی تصحیح میں بڑی محنت اور معاونت کی ہے۔ خداوند قدوس ان سب محققین و معاونین کوان کی مفید ترین تحقیقات کا دارین میں بہترین صلہ عطافرمائیں(آمین)

بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانیؔ عفاعنہ الغنی

خادمِ جامعہ اسلامیہ الائی(بنہ)

حال وارد ''مکۃ المکرمہ مسجد الحرام'' یکم ذی الحج 1433ء

0997-319032/ 03459484536

تعارف وتبصرہ

فلکیات اور اس سے متعلق کچھ امور پر ہمارے دوست فاضل محقق، جامع الفنون مولانا حبیب اللہ نعمانی کی تالیف، لائق توجہ و قابل صد تحسین ہے۔ مولانا کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے ہے۔

آپ کے والد مرحوم مولانا غلام سرور رحمہ اللہ (پیدائش 1917ء-وفات 31 دسمبر 1996ء) فاضل دارالعلوم دیوبند ایک متبحر عالم دین اور کہنہ مشق وزیرک مدرس تھے۔ سن 1948ء میں فراغت کے بعد دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند میں تین چار سال بطورِ معاون مفتی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعدازاں 1952ء میں اپنے آبائی وطن الائی ہزارہ واپس تشریف لائے اور اپنے علاقے میں درس وتدریس کے ساتھ سیاسی میدان میں سرگرم عمل رہے۔

اللہ رب العزت نے انہیں منقولات ومعقولات کی تدریس اور تفہیم میں خاص ملکہ عطافرمایا تھا۔ بالخصوص "فلکیات" اور اس کے متعلقات سے انہیں خاص مناسبت تھی۔ فلکیات میں آپ کی دلچسپی ومہارت کا یہ عالم تھا کہ علاقے کے نامور عالم دین اور مشہور ماہر فلکیات مولانا فریدالدین آف بنسیر کے ہاں آپ نے ان کا تیار کردہ اصطرلاب دیکھا اور محض ایک نظر ڈالنے سے ہی اس میں موجود فنی نقص کی نشاندہی کردی۔ مولانا فریدالدین نے ان کی اس اصلاح کی تائید کی اور فلکیات کے فن میں ان کی مہارت گہرائی اور وسعت وتعمق کی کھل کر تحسین فرمائی۔ فلکیات سے متعلق آپ کے قیمتی امالی اور فنی باریکیوں پر مشتمل چند اشیاء جو ان کی مہارت اور محنت کا حاصل تھا یہ علمی آثار دیوبند میں ہی رہ گئے اور وہ اپنے ساتھ وطن نہ لاسکے۔ اس پر وہ اکثر افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے۔

مولانا علمی زندگی کے ساتھ ساتھ سنجیدہ سیاسی ذوق کے بھی مالک تھے۔اس لیے درس وتدریس اور کوچۂ سیاست کو بیک وقت آباد رکھا۔جمیعت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے بھرپور سیاسی زندگی گزاری۔حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے بہت قریبی تعلق رہا۔سیاسی مشاورت سے لے کر عملی سیاست تک ان کے دست راست رہے۔

وادی الائی میں ایک طرف اگر حسن قدرت کے نظارے وصناعی جابجا بکھری ہوئی ہے تو وہیں علاقائی سیاست میں ظلم وجبر اور ظالمانہ استحصالی قوتوں کے سبب عوام الناس کے لیے یہ وادی سیاسی قید خانہ بن چکی تھی۔جبر کی اس سیاسی فضا کو توڑنے میں آپ نے بنیادی کردار ادا کیا اور اپنے احباب حاجی محمد ایوب شہید، حاجی شمس الرحمن مرحوم، حضرت مولانا سید آفتاب شاہ صاحب ودیگر ساتھیوں سمیت آپ میدانِ عمل میں اترے اور ظلم وجبر میں پسے ہوئے مظلوم عوام اور ظالمانہ قوتوں کے درمیان دیوار بن کے کھڑے ہوگئے۔علاقے کے مظلوم عوام نے اپنی حمایت آپ کی نذر کی اور طاغوت کی بالادستی کے سیاہ بادل چھٹنے لگے۔

یہ علاقہ قبائلی نظم کے تحت چل رہا تھا اور وہاں کی استحصالی قوتیں ان ظالمانہ قوانین کے سبب استحصال اور ظلم کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے۔جنوری 1971ء میں حضرت مولانا اپنے جماعتی احباب کے ساتھ اسلام آباد جاکر مولانا غوث ہزاروی، مولانا مفتی محمود اور مولانا عبدالحکیم (ایم این اے) کو اس جبرِ مسلسل سے آگاہ کیا۔اس سلسلے میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل یحیٰ خان کو بھی ان ظالمانہ کاروائیوں کے متعلق بتایا۔اور شبانہ روز سیاسی سرگرمیوں، ملاقاتوں اور مختلف سیاسی زعماء سے رابطے کے نتیجے میں بمورخہ 12 فروری 1971ء الائی کو قبائلی نظم سے نکال دیا۔آپ کے اس کارنامے کو الائی کی سیاسی وسماجی تاریخ میں سنہری حیثیت حاصل ہے۔اس کے بعد الائی میں تعلیمی اور ترقیاتی سرگرمیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔مظلوم عوام کو اپنے حقوق کا شعور ملا اور ظلم سے نبرد آزما ہونے کی ہمت ہوئی۔یہ تمام فیضان حضرت مولانا کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا کواللہ نے فنِ تدریس اور بالخصوص تفہیمِ فلکیات کا خصوصی ملکہ وتبحر عطافرمایا تھا۔اس میں انہوں نے کئی شاگرد تیار کیے اور بالخصوص اپنے جگر گوشہ مولانا حبیب اللہ نعمانی صاحب کو خصوصی طور پر اپنا فن منتقل فرمایا۔اس فن میں آپ کے فرزند کی مہارت کو اہل علم نے نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس سے بارہا استفادہ بھی کیا ہے۔ مولانا موصوف اب بھی ملک بھر سے فلکیات کے متعلق سوالات اور اشکالات کو حل کرتے ہیں۔ بڑے مدارس کے مدرسین بھی اس فن میں مولانا نعمانی صاحب سے استفادہ کرتے ہیں۔ فلکیات اور اس کے متعلقات سے خصوصی دلچسپی مولانا حبیب اللہ نعمانی صاحب کا خاندانی میلان اور میدان ہے۔ ہر قمری مہینے کی 29 تاریخ کو بطورِ پیش گوئی چاند کی نوعیت اور اس کی پیدائش وطلوع کے متعلق وہ اپنی علمی رائے پیش فرماتے ہیں۔ سالہاسال کے دوران شاید ہی کبھی ان کی ہلال نو کے متعلق پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی ہو۔اہل علم وفن ہر ماہ پیدائش ورؤیتِ قمر کے متعلق ان کی ماہرانہ رائے کے منتظر ہوتے ہیں۔

بٹگرام کا ایک معروف علاقہ وادی الائی ہے جسے علماء کی کثرت کے سبب ''دارالعلماء'' بھی کہا جاتا ہے وہاں کا سب سے بڑا اور نامور مدرسہ جامعہ اسلامیہ الائی کی ابتداء مولانا حبیب اللہ صاحب کے والد صاحب مرحوم نے 1987ء میں کی۔اب یہ استغنا وتوکل اور عالی شان روایات کا حامل مدرسہ ایک عرصہ سے نور توحید اور سنت نبویہ کی روشنی سے اہل علاقہ ،اکناف واطراف کو مستنیر ومستفیض کر رہا ہے۔ بلاشبہ یہاں سے ہزاروں تشنگانِ علومِ دینیہ اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے اور تاہنوز ،طالبانِ دین ،شریعت کے اس چشمۂ صافی سے سیراب ہو رہے ہیں۔اللہ جل شانہ اسے تادیر قائم رکھیں۔اور حضرت علامہ مولانا غلام سرور رحمہ اللہ کے خانوادہ کو اس مدرسہ کی خدمت ،تدریس اور دعوت واصلاح کی محنت میں قبول فرمائیں۔

اس خانوادے کی جامعیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے دینی علوم کی نشرواشاعت کا وسیع سلسلہ مدرسے کی متعدد شاخوں کی صورت میں پورے علاقے میں پھیلادیاہے۔دعوت وتبلیغ کے شعبے میں بھی عالمی دعوتی سلسلے ''تبلیغی جماعت'' کی نسبت اور ذمہ داریوں کو بھی سنبھالاہواہے۔اجتماعیت اور سیاست کے شعبے میں اس جامعہ کو قافلۂ اہلِ حق ''جمعیت علماء اسلام''کا مضبوط مرکز بھی بنادیاہے۔علاقے میں 2005ء کے شدید وتباہ کن زلزلے میں متاثرین کی امداد اور بحالی کے ضمن میں شاندار اور ہمہ جہت خدمات سرانجام دیں۔دین کا کوئی بھی شعبہ ہو علاقے بھر میں اس کا مرکز جامعہ اسلامیہ الائی ہے۔

فاضل مؤلف مولانا حبیب اللہ نعمانی نے اس تالیف میں فلکیات سے متعلق کئی محققانہ ابحاث کو چھیڑاہے اور بڑی تحقیق وتدقیق کے ساتھ مختلف امور کا فنی اور عقلی پہلو سے جائزہ لیاہے۔اس تالیف میں بیک وقت قدیم وجدید معلومات ہیں۔اس سے مولانا کی دقّتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتاہے۔

اس کتاب کی چند اہم مباحث کا جائزہ وتعارف پیش کیا جاتاہے۔ہجری سنین میں نبی مکرم ﷺ کی تاریخ ولادت اور سانحۂ ارتحال کے دن کا تعیّن ایک بڑا فنی اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔مولانانے اس معاملہ میں مختلف زاویوں سے بحث کی ہے اور عقلی انداز سے اپنا نقطہ نظر بیان کیاہے۔اور کچھ آراء پر عقلی و نظری نقد بھی کیاہے۔رؤیتِ ہلال اور ''اختلاف مطالع''پر بحث بھی لائق توجہ ہے۔اس معاملہ میں آپ نے فقہی نظائر کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کی روشنی میں بھی اس کا جائزہ لیاہے۔اور اختلاف مطالع پر فقہاء احناف کے شاذ اقوال کے مقابلے میں ائمہ واکابر احناف کا موقف مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کیاہے اور بتایاہے کہ تمام عالم میں بیک وقت ایک عید کا ہونا کسی طور ممکن نہیں۔جس طرح طلوع وغروب آفتاب کے تحت نمازوں کے اوقات میں فرق ہے جو عین فطری ہے بعینہٖ رؤیت ہلال میں بھی مطالع کا اختلاف ایک فطری اور قدرتی چیز ہے۔جس کا انکار حقائق کے انکار کے مترادف ہے۔

اس بارے میں اختلاف آراء کی آڑ لے کر علماء کرام پر مختلف لادین طبقات کا طنز واستہزاءاڑانادراصل دین سے اپنی ناواقفیت اور علماء سے بغض کا اظہار ہے۔کیونکہ فطری حقائق سے اغماض کسی طرح ممکن نہیں۔اور اختلاف مطالع ایک بدیہی حقیقت ہے۔

اہل علم میں ’’تعیینِ قبلہ ‘‘کا معاملہ ایک اہم مسئلہ ہے۔اس کی شرعی حیثیت،اپنی جگہ لیکن فنی اعتبار سے اکنافِ عالم میں ہر جگہ عینِ جہت قبلہ کی تعیین اہم امور میں سے ہے۔ مولاناموصوف نے دینی نظائر کے ساتھ ساتھ فنی اور حسابی پہلو سے تعیینِ قبلہ کے مختلف طریقے بتائے ہیں اور کچھ قدیم طریقوں کی نقشوں کے ساتھ تسہیل کی ہے جیسے دائرہ ہندیہ وغیرہ۔ تقویم اوراس سے متعلق مباحث، نیز بکرمی اور شمسی تقویم کی بحث کو بھی محققانہ انداز کے ساتھ ساتھ ہلکے پھلکے اور سہل انداز میں سمجھایا ہے۔ فنی امور کی تسہیل کے لئے مولانا ،اشعار کا بر محل وموزوں استعمال کرتے ہیں جس سے کلیات آسانی کے ساتھ یاد ہو جاتے ہیں یہ بھی مولاناکے ذوق لطیف کاآئینہ دار ہے۔

طول بلد وعرض بلد اوراس سے متعلقہ امور کو فاضل مؤلف نے حسابی اور سائنسی انداز سے سمجھایاہے اس ضمن میں انہوں نے جدید تحقیقات سے استفادہ میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔جدید اعداد وشمار فنی نقشہ جات اور تازہ معلومات نے کتاب کی افادیت مزید بڑھادی ہے۔امکانِ رؤیتِ ہلال کی بیس سالہ تقویمِ پیشگوئی بھی توخاصے کی چیز ہے اہل علم کے لئے بسااوقات ایک تقویم کی تاریخ حافظے کاامتحان اور کبھی کسی علمی مغالطے کا سبب بن جاتی ہے. یہ نقشۂ تقویم ایسے موقع پر بہت سے عقدے حل کرنے کا سبب بنے گا۔ان شاءاللہ

ہمارے فاضل دوست اردو، عربی اور فارسی میں شاعری کاذوق بھی رکھتے ہیں۔ان کی مادری زبان پشتو ہے یہ بات بجائے خود حیرت کے در،واکرتی ہے۔ان کے کچھ نمونہ ہائے اشعار ومرثیہ جات شامل کتاب ہیں۔آپ کی ایک اور انفرادیت آپ کا منجھاہواخطاط ہونا بھی ہے۔آپ سید الخطاطین،سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل کئے ہوئے

ہیں۔خطاطی جو کبھی اہل علم کا وصف اور امتیاز ہوا کرتی تھی آج کمزور بلکہ معدوم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

"مردہ ذوقی کے دور" میں مولانا کی خطاطی کے نمونے خوش ذوقی کو حوصلہ دیتے ہیں۔خطاطی حسن تحریر کے ساتھ ذہنی وفنی صلاحیتوں کے اظہار کا نام بھی ہے۔اس میں قلم کار لفظوں کے زاویوں ان کی ہیئت وترتیب میں ماہرانہ دسترس کے ساتھ جس تخلیقی عمل سے گزر کر اپنا شہ پارہ تخلیق کرتا ہے اس کی باریکیوں ولطافتوں کو دیکھنے، سمجھنے کا اپنا ہی حظ ولطف ہے۔ایسی خطاطی کے کچھ نمونے مولانا حبیب اللہ صاحب کے ہاں ملتے ہیں۔یہ کتاب نقش ثالث ہے جو نقش اول وثانی سے کہیں بہتر وجامع ہے، مولانا کی خُرد نوازی ہے کہ ہمارے کچھ مشوروں کو پذیرائی بخشتے ہیں۔ہمارے بزرگ دوست مکرمی بشیر احمد صاحب ساکن لاہور نے کتاب کے جدید مباحث میں بھرپور انداز کے ساتھ اپنا حصہ ڈالا ہے۔اور کئی ایک جدید اعداد وشمار کی فراہمی کا ذریعہ بنے ہیں۔

مولانا نعمانی کی علمی کاوش، تحقیق اور تدقیق کے باوجود اس کتاب پر نقد، اصلاح اور اضافے کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔انہوں نے اہل علم کے سامنے اپنی تحقیقات پیش کردی ہیں۔اس میں نہ تو انہوں نے کوئی دعوی کیا ہے اور نہ ہی کسی علمی تفرد کا اظہار۔البتہ اپنے حاصل تحقیق کو مناسب انداز میں اہل علم اور ارباب فن کے سامنے رکھ دیا ہے۔خدا کرے اس موضوع پر یہ کتاب دیگر اہل علم کو مہمیز کرے اور اس فن پر علمی بحث وتمحیص اور تبادلۂ افکار وتحقیق کی گرم بازاری ہو۔

مولانا کے مسلسل اصرار، ٹیلفونک رابطے اور حکم پر، تعارف وتبصرے کے ساتھ فلکیات اور رؤیت ہلال سے متعلق ایک مقدمہ پیش کر دیا ہے۔اگرچہ اس "مخمل" میں "ٹاٹ کے پیوند" کی کچھ ایسی ضرورت تو نہ تھی پر "اہل دعوت" کا یہ معنی خیز جملہ " بڑوں کی ماننے میں خیر ہے"، ہمیں حوصلہ دیتا رہا۔رب علیم ہم کم مایگانِ علم کو بھی "رب زدنی علما

’’ کی دعائے نبوی ﷺ کے طفیل و تصدق وادیٔ علم و تحقیق کا مسافر بنائے رکھے۔ایک بے گوہرِ علم کے لئے اس سے بڑی اور کیا دعاء خیر ہو سکتی ہے۔اب اسی آرزوئے ناتمام کی قندیل کو لئے ظلماتِ دہر کا مقابلہ کر رہے ہیں۔اور اس صراطِ علم پر لطفِ آبلہ پائی سے بھی ذوق جنوں کو کچھ آسودگی میسر آجاتی ہے۔بس یہی سعیٔ ناتمام اب متاعِ جاں بن گئی ہے۔

مولانا کا وجود بسا غنیمت ہے کہ آپ ایسی دقیق علمی ابحاث کو نہ صرف زندہ رکھتے ہیں بلکہ اس میں حتی المقدور اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر اہلِ علم کو اس فن کی تذکیر کروا کر اپنا ’’علمی فرض کفایہ‘‘ بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔رب کریم علم اور ملت سے ان کی دردمندی کے جذبے کو توانا اور تروتازہ رکھے۔اور ہم جیسے طالبانِ دین کو ان سے تادیر مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے۔اٰمین

خائف من الوعید

حافظ محمد سعید

(ابوالخیر حافظ محمد سعید احمد عاطف)

خطیب جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور جمادی الثانیہ 1441ھ

مقدمہ

اسلام دین فطرت ہے اس کے ہر ہر امر کے اندر انسان کی مصلحتوں، اور اس کی بشری کمزوریوں کا پوری طرح لحاظ رکھ کر وہی حکم دیا گیا ہے جس پر عمل کرنا اس کے بس میں ہو اور اس حکم کی بجاآوری کو وہ اپنی فطرت سلیمہ کی تکمیل سمجھے۔ارشاد باری ہے:

''فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ''[1]

(اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر چلو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔)

چونکہ انسان کی فطرت کا خالق ہی اس کے فطری مقتضیات کا لحاظ رکھ سکتا ہے اور دین اسلام ہی اب محفوظ کامل اور آخری دین ہے اس لئے اس کا فطری، سہل اور قابل عمل ہونا ضروری ہے۔رہی بات بگڑی ہوئی طبائع اور اذہان کی جو نفس پرستی کی آلائشوں سے آلودہ ہوں تو دین فطرت کی تعلیمات انہیں اپنے بگڑے ہوئے مزاج کے سبب سمجھ نہیں آتیں۔اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»[2]

(ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔)

---

[1]-الروم30،آیت30

[2]-الصحیح البخاری ،باب ماقیل فی اولاد المشرکین ،رقم الحدیث1385

گویا فطرت سلیمہ، عین فطرت دین ہے اور فطرت دین ہی، فطرت سلیمہ ہے۔ان میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے۔

دین توحید (اسلام) میں ارض و سماء، شمس و قمر اور دیگر آیاتِ کونیہ کو دلیلِ توحید کے ساتھ ساتھ اسلامی عبادات میں رہنمائی کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے تاکہ متعلقہ احکامِ دینیہ اور امورِ تعبّدیہ کی تفہیم آسان ہو جائے۔ان کے لئے علامات فطرت، شمس و قمر کی طرف مومنین کی رہنمائی سہل اور فطری انداز میں کی گئی ہے تاکہ اہل ایمان فطرت کے قریب تر رہ کر متعلقہ احکام کی بجاآوری کرسکیں۔

دین فطرت میں ان کی بہت اہمیت ہے۔ جیسے اوقات نماز میں سورج کی گردش کا لحاظ اور مہینوں کی ابتداء میں رؤیت ہلال کا لحاظ اور پھر چاند کی ماہانہ تقویم پر ہی زکٰوۃ کے سال کا شمار ہوتا ہے نیز ایام رضاعت، مطلقہ و بیوہ کی عدت اور حیض و نفاس کے ایام کی گنتی کا انحصار بھی قمری تقویم پر رکھا گیا ہے تاکہ ہر عامی و سادہ مسلمان تک کے لئے بھی کوئی پیچیدگی اور گنجلک صورت حال پیدا نہ ہو۔

قرآن مجید اصلاً تو کتابِ ہدایت ہے لیکن اس میں کہیں صراحتاً اور کہیں اشارتاً سورج ،چاند، ستاروں اور تخلیقِ کائنات کے دیگر مظاہر کی جانب انسان کو متوجہ کیا گیا ہے۔اور ان مظاہر کو آیت توحید کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور انسان کو توحید کی طرف راغب کرنے کے لئے نظامِ کائنات، ایاب وذہاب شمس و قمر اور گردشِ لیل و نہار سے استدلال کیا گیا ہے۔

انسان کو ان میں غور و فکر اور تدبر کی تحریک بھی دی گئی ہے تاکہ ان صنائع کو دیکھ کر وہ صانعِ حقیقی تک پہنچ سکے اور فضائے بسیط میں ان اجرامِ فلکی کے سبب وہ معرفتِ الٰہی کا سفر طے کرسکے۔ تفسیرِ بیضاوی میں ہے:

''هُوَاَفْضَلُ الْعِبَادَاتُ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ «لَاعِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ» لِاَنَّهُ الْمَخْصُوْصُ بِالْقَلْبِ وَالْمَقْصُوْدُ مِنَ الْخَلْقِ''[1]

(یہ بہترین عبادت ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایاہے: کہ غور وفکرسے بہتر کوئی عبادت نہیں کیونکہ یہ دل کے ساتھ مخصوص ہےاور مخلوق سے یہی مقصود ہے)

ان متعلقہ علوم کی اہمیت کے ضمن میں ایک مفسر اہل اسلام کو کس درد مندی کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کاش آج ہماری قوم کے ماہرینِ فنِ ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی وایمانی نقطہ نظر سے قلم اٹھاتے'' [2]

اس لئے کہ اس موضوع پر قلم کشائی سے کئی عقدے واہوتے ہیں اور غور فکر کی نئی جہات کاایک جہان میسر آتاہے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ، وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ، وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ''[3]

(توکیایہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟اور آسمان کو کہ اسے کس طرح بلند کیا گیا؟اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا؟اور زمین کو کہ اسے کیسے بچھایا گیا؟۔)

---

[1]- انوارالتنزیل واسرارالتاویل،بیضاوی،علامہ بیضاوی،سورۃ اٰل عمران،آیت 192

[2]- دریاآبادی،عبدالماجد، تفسیر ماجدی، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور 2001،ص172

[3]-سورہ غاشیہ:88،آیت:17تا20

قرآن مجید کی اصطلاح میں ''نظر'' کے لفظ کا مفہوم ہے کہ ایسا غور و فکر جس کے بعد نتائج تک پہنچا جاسکے کبھی یہ جزئیات سے کلیات تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے اور کبھی کلیات سے جزئیات تک کا۔ غور و فکر کا یہ مادہ ہی انسانی شرف و فضیلت کا باعث ہے۔ کیونکہ خالق کی پہچان اس کی انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی آیات سے ممکن ہے۔ نظر کے ذریعے ان ہی آیات سے استنباط و استخراج کیا جاتا ہے اور کائنات کے خالق تک رسائی ہو جاتی ہے۔

(الف) نظام سماوی سے متعلق آیات:

قرآن مجید میں فلکیات اور اجرام سماوی سے متعلق منتخب آیات کریمہ پر ہم ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ ہمیں اس موضوع پر اہم مطالب کی تفہیم ہو سکے۔ قرآن کریم میں تقریباً چالیس ایسی آیات ہیں جو ہیئت و فلکیات اور ان سے متعلق علوم پر کہیں صراحتاً اور کہیں کنایۃً روشنی ڈالتی ہیں۔

1. عقل و مشاہدے کے استعمال کی دعوت:

''أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ''[1]

(بھلا کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسے بنایا ہے؟ اور ہم نے اسے خوبصورتی بخشی ہے، اور اس میں کسی قسم کے رخنے نہیں ہیں۔)

کائنات کی تخلیقی حکمت پر غور کرنے کے بعد اس کا ہر عیب سے خالی ہو جانا اور انسانی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کائنات بہت مقصدیت کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے اور انسان اس دنیا کی اہم اور مرکزی مخلوق ہیں۔ اس طرح کے

---

[1]- ق 50، آیت 6

غور و فکر سے اس کا تعلق اپنے خالق سے جڑ جاتا ہے اور دوسری جانب وہ اپنی زندگی کا مقصد بھی پہچان جاتا ہے۔ عقل سلیم اور نتیجہ خیز مشاہدے کی صلاحیت بھی صرف انسان میں ہے۔اس لیے وہ ان آیات کے سبب معرفت الٰہی کو جلد پالیتا ہے۔

آیت کے ذیل میں ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالَى مُنَبِّهًا لِلْعِبَادِ عَلَى قُدْرَتِهِ الْعَظِيمَةِ الَّتِي أَظْهَرَ بِهَا مَا هُوَ أَعْظَمُ مِمَّا تَعَجَّبُوا مُسْتَبْعِدِينَ لِوُقُوعِهِ: {أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا} ؟ أَيْ: بِالْمَصَابِيحِ، {وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ}"[1]

(اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اس عظیم قدرت (جس کے ذریعے اللہ نے ان کی تعجب اور انکار کردہ چیز ظاہر فرمائی) پر خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کہ کیا یہ لوگ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے ہیں ہم نے کیسے اس کو بنایا اور اس کو مزین کردیا" یعنی ستاروں کے ساتھ، "اور اس میں کوئی رخنہ نہیں")

"الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ. ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ"[2]

(جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے، تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤگے۔ اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی

---

[1]-ابن كثير،أبو الفداء،إسماعيل بن عمر(المتوفى: 774ھ)، تفسير القرآن العظيم،دار طيبة للنشر والتوزيع، 1420ھ

[2]-الملک،آیت:3-4

رخنہ نظر آتا ہے؟پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہو گا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی)

اللہ کی اس کائناتی تخلیق میں کہیں کوئی سقم اور کوتاہی نہیں ہے۔ باوجود انسانی کوشش کے تخلیق الٰہی میں کسی کمی یا کجی کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔کائنات میں غور و فکر کی اس الٰہی تلقین کا نتیجہ سوائے رب جلیل کے سامنے سرافگندگی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔انسانی عقل حیرانگی اور درماندگی کے ساتھ معرفت الٰہی کی چوکھٹ پر سربسجود ہو جاتی ہے۔

2. بغیر ستون آسمانوں کی طرف توجہ دلائی:

" خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا "[1]

(اس نے آسمان کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آسکیں۔)

اس آیت شریفہ کی ذیل میں امام رازی، عقلی انداز سے سمجھاتے ہیں۔

" بأن السموات سَوَاءٌ كَانَتْ مُسْتَدِيرَةً أَوْ مُصَفَّحَةً فَهِيَ مَخْلُوقَةٌ بِقُدْرَةِ اللهِ لَا مَوْجُودَةٌ بِإِيجَابٍ وَطَبْعٍ، وَإِذَا عُلِمَ هَذَا فَنَقُولُ السَّمَاءُ فِي مَكَانٍ وَهُوَ فَضَاءٌ وَالْفَضَاءُ لَا نِهَايَةَ لَهُ وَ كَوْنُ السَّمَاءِ فِي بَعْضِهِ دُونَ بَعْضٍ لَيْسَ إِلَّا بِقُدْرَةٍ مُخْتَارَةٍ وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ: بِغَيْرِ عَمَدٍ أَيْ لَيْسَ عَلَى شَيْءٍ يَمْنَعُهَا الزَّوَالَ مِنْ مَوْضِعِهَا وَهِيَ لَا تَزُولُ إِلَّا بِقُدْرَةِ اللهِ تَعَالَى "[2]

(آسمان چاہے گول ہو یا ہموار، وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ پیدا کیے ہیں، خود بخود وجود میں نہیں آئے۔ جب یہ معلوم ہوا پس ہم

---

[1]- لقمان 31، آیت 10

[2]- مفاتیح الغیب، ج 25، ص 117

کہتے ہیں کہ آسمان ایک فضائی مکان میں ہے۔ اور فضاء کی کوئی انتہاء نہیں،اور آسمان کا اس فضاء میں ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔اسی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے: بِغَيْرِ عَمَدٍ یعنی آسمان کسی سہارے کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھڑے ہیں۔)

بغیر ستونوں کے آسمان کی تخلیق اور اس کا قیام اہل عقل کو ذاتِ الٰہی کی جانب متوجہ کرنے والا ہے۔اس وقت کی اجتماعی دانش اور عقل بھی اس تخلیقِ سما کی حجیت کو مانتی تھی اور آج کے سلیم الفطرت عقلاء بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

دورِ حاضر میں عقلی و کلامی رجحانات کے حامل مفسر جامع اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں:

آسمان جیسی عظیم الشان موجودات کو بغیر کسی ظاہری و مرئی سہارے کے قائم رکھنا کمال قدرت پر ایک دلیل ہے۔"[1]

" اللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ "[2]

(اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں، پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔)

آیت کے ذیل میں ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

[1]- تفسیر ماجدی، ص828

[2]-الرعد13،آیت2

وَقَوْلُهُ: {وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لأَجَلٍ مُسَمًّى} قِيلَ: الْمُرَادُ أَنَّهُمَا يَجْرِيَانِ إِلَى انْقِطَاعِهِمَا بِقِيَامِ السَّاعَةِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ}".[1]

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا قول "اور اس نے آفتاب وماہتاب کو ایک قانون کا پابند کیا" کہا گیا کہ مراد یہ ہے کہ یہ دونوں چلیں گے قیامت تک جس طرح کہ اللہ تعالی کا قول ہے" کہ سورج اپنے ایک مستقر تک چلتا ہے، یہ علیم اور غالب ذات کی تقدیر ہے (سورۃ یٰس)

3. سورج اور چاند خدائی نشانیاں ہیں:

"الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ "[2]

(سورج اور چاند حساب میں جکڑے ہوئے ہیں۔)

گویا وہ الٰہی اور تکوینی ضابطے ہیں جن کے چاند اور سورج پابند ہیں۔اس پابندی سے ہی نظام کائنات میں ہم آہنگی ہے۔بیضاوی میں ہے:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبانٍ يَجْرِيَانِ بِحِسَابٍ مَعْلُوْمٍ مُقَدَّرٍ فِي بُرُوْجِهِمَا وَمَنَازِلِهِمَا، وَتَتَّسِقُ بِذٰلِكَ أُمُوْرُ الْكَائِنَاتِ السُّفْلِيَّةِ وَتَخْتَلِفُ الْفُصُوْلُ وَالْأَوْقَاتُ، وَيُعْلَمُ السِّنُوْنَ وَالْحِسَابُ[3]

ترجمہ: سورج اور چاند ایک معلوم حساب سے اپنے بروج میں چل رہے ہیں اور سفلی کائنات کے اموراس کے ساتھ مرتب ہیں اور اسی کے

[1]- تفسیر ابن کثیر: ج4، ص430

[2]- سورۃ رحمن 55، آیت 5

[3]- البيضاوي، ج5، ص170

ساتھ موسم اوراوقات بدلتے رہتے ہیں اور سالوں وغیرہ کا حساب بھی اسی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

4. انسان کے لیے شمس وقمر تسخیر کائنات کے مظاہر ہیں:

”وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ“ [1]

(اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کواس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں،اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر لگایا۔)

”وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ“ [2]

(اور چاند ہے کہ ہم نے اس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (پتلا) ہو کر رہ جاتا ہے۔)

ان مظاہر فطرت سے نہ تو مرعوب ہو کر انہیں معبود سمجھنا ہے اور نہ ہی بے توجہی کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ان کے فوائد سے متمتع ہونا اور موسموں کے تغیر سے فائدہ اٹھانا بھی تسخیر کے حکم میں شامل ہے۔یعنی کس موسم میں کون سی فصلیں کاشت ہوں۔کون سا موسم کس پھل باغبانی کے لیے مفید ہے۔اس موسم سے فائدہ اٹھا کر کاشت کاری و باغبانی وغیرہ کو ترقی دینا بھی تسخیر کے حکم میں شامل ہے۔

---

[1]-ابراہیم14،آیت33

[2]-یاسین36،آیت39

5. حساب کتاب میں فطری آسانی:

"هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"[1]

(اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور، اور اس کے (سفر) کے لیے منزلیں مقرر کردیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کرسکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کردیا وہ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔)

"وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ"[2]

(اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے، سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔)

" لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ"[3]

(نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات، دن سے آگے نکل سکتی ہے، اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔)

---

[1]- یونس 10، آیت 5

[2]- الانبیاء 21، آیت 33

[3]- یاسین 36، آیت 40

ابن کثیر آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہے:

يَقُولُ تَعَالَى: وَمِنَ الدَّلَالَةِ لَهُمْ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى الْعَظِيمَةِ خَلْقُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، هَذَا بِظَلَامِهِ وَهَذَا بِضِيَائِهِ، وَجَعَلُهُمَا يَتَعَاقَبَانِ، يَجِيءُ هَذَا فَيَذْهَبُ هَذَا، وَيَذْهَبُ هَذَا فَيَجِيءُ هَذَا،۔[1]

(ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ پر دلیل دن رات کی پیدائش ہے،رات اپنے اندھیرے کی وجہ سے اور دن اپنے اجالے کی وجہ سے اور دونوں نمبروار آتے ہیں ایک آتاہے تو دوسرا جاتاہے دوسرا آتاہے تو پہلا جاتاہے)

اس موضوع اور اس سے مماثل مفہوم کی آیات درج ذیل ہیں۔ اہل علم کسی بھی مستند تفسیر کی روشنی میں استفادہ فرما سکتے ہیں۔[2]

اللہ کا کلام حکمتوں سے مملو اور بھرپور ہے ایسی متعدد آیات ہیں کہ جن کے مفاہیم اپنے وقت پر واضح ہوتے ہیں۔ان آیات کریمہ سے کلام الٰہی کی برتری و عظمت کے ساتھ ساتھ تخلیق کائنات اور ہیئت و فلکیات کے متعدد رموز حل ہوتے نظر آتے ہیں۔ کلام الٰہی کی آفاقیت کا کمال ہے کہ چند آیات میں کیسے کیسے امور کی جانب اشارہ کیا گیا ہے.اور آج کی سائنس ان قرآنی کلیات کی تجرباتی تصدیق اور عملی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ گو وحی الٰہی کسی سائنسی نظریے کی محتاج نہیں ہے بلکہ سائنس کا وحی الٰہی کی تصدیق کرنا گویا خود سائنس کا اپنے کو معتبر بنانا ہے

---

[1]- تفسیر ابن کثیر: ج6، ص575

[2] -الانبیاء21،آیت32۔ حم سجدہ41،آیت 12۔ الملک67،آیت5۔ الصافات37،آیت6-10۔ الرحمن55، آیت7۔ الحج22،آیت5-65۔ الانعام6،آیت96-97۔ النحل16،آیت12-16۔ یونس10،آیت5۔ الفرقان25،آیت61۔ نوح71،آیت15-16۔ النبا78،آیت12-13۔ الطارق86،آیت1-3۔

۔اوراس سے توسائنس کووحی کی تصدیق میسر آجاتی ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں ایسی آیات بھی ہیں کہ جن کی صحیح و متعین توجیہ تبھی ممکن ہے جب انسان فلکیات کی بدولت ایسا صحیح مشاہداتی علم حاصل کرلے کہ سورج کے مستقراور دیگر معاملات کادرست ترین اندازہ لگاسکے جیسے سورہ یٰسین کی یہ آیات تاہنوزانسانی تگ وتاز کی منتظرہیں۔

سورہ یٰسین کی آیت 40 کے حوالے سے ایک مفسر لکھتے ہیں:

فلک کا لفظ عربی زبان میں سیاروں کے مدار کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم سماء(آسمان) کے مفہوم سے مختلف ہے یہ ارشاد کہ ''سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں'' چار حقیقتوں کی نشان دہی کرتا ہے۔

ایک یہ کہ نہ صرف سورج اور چاند بلکہ تمام تارے اور سیارے اور اجرام فلکی متحرک ہیں۔

دوسری یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ یامدار الگ ہے۔

تیسری یہ کہ افلاک تاروں کو لیے ہوئے گردش نہیں کررہے بلکہ تارے افلاک میں گردش کررہے ہیں۔

اور چوتھی یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اس طرح ہورہی ہے جیسے کسی سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔''[1]

ظاہر ہے کہ یہ فاضل مفسر کی ایک رائے ہے لیکن الفاظ قرآنی کے ساتھ ساتھ علم فلکیات کے شواہد سے ہی آیت کی صحیح ترین توجیہ ہوسکتی ہے۔یہ علمی توجیہات قرآنی فکر کی وسعت کاایک انداز ہیں۔انسانی دانش و تحقیق کا قافلہ جوں جوں آگے بڑھے گا توں توں اس

[1]۔مودودی،ابوالاعلی سید، تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن لاہور 2001ج4ص261

کائنات کے رازوں اور کتابِ الٰہی میں ہم آہنگی و توافق ثابت ہوتا چلا جائے گا۔ چونکہ یہ آیت ،آیات کونیہ میں سے ہے اس لئے اس میں فلکیات اپنی تحقیق کو داخل کر کے اس میں اپنی رائے دے سکتی ہے۔

قمری تقویم کی اہمیت

ارشاد باری ہے ''هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ''[1] اس آیت میں ''قدرہ'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہیہ یہ ہے کہ وقت اور سنین کا حساب قمری تقویم میں ہو۔ اس سے انسان فطرت کے قریب رہتا ہے اور ایک ناخواندہ سے لے کر ایک جدید تعلیم یافتہ تک اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس طریقۂ حساب میں دیگر تقاویم کی طرح کبھی کوئی ''لیپ'' کا سال نہیں آتا کہ انسانوں کو اس میں تقدیم و تاخیر کی یا تبدیلی کی ضرورت پیش آئے۔

قمری تقویم ایک فطری اور قابل عمل تقویم ہے اس کا دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر دوسرے دن غروب آفتاب تک ہے کیونکہ رب ذوالجلال نے جہاں بھی دن رات کا ذکر فرمایا تو رات کو پہلے ذکر کیا جیسے:

''إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ''[2]

اور

---

[1]-یونس 10، آیت 5

[2]-اٰل عمران 3، آیت 190

”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ“[1]

قمری تقویم کی اہمیت یہ بھی ہے کہ دور جاہلیت میں اہل قریش اپنی ضرورت یا تجارتی مفاد کے پیش نظر مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے اس عمل کو ” نسئ“ کہا جاتا تھا ۔اللہ نے اس کو کفر قرار دیا ہے۔اور اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا قرآن مجید میں ارشاد فرمایا”إِنَّمَا النَّسِیءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ“[2]اور ساتھ ہی مسلمانوں کو صحیح قمری تقویم کی طرف متوجہ کیااسی حکمت الٰہی کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں بالخصوص اس تقویم کے حوالے سے یہ اعلان فرمادیا کہ :

”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلاَثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو القَعْدَةِ، وَذُو الحِجَّةِ، وَالمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ، مُضَرَ الَّذِى بَيْنَ جُمَادَى، وَشَعْبَانَ"[3]

(دیکھو! زمانہ گھوم پر کر پھر اسی نقشہ پر آگیا ہے جس پر اللہ تعالی نے زمین اور آسمان پیدا کئے تھے دیکھوایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں تین تو لگاتار ذیقعدہ، ذی الحجۃ محرم ہیں اور

[1]-البقرۃ2،آیت164

[2]-التوبہ9،آیت37

[3]-بخاری کتاب التفسیر، باب ان عدۃ الشھور، حدیث نمبر4662

چوتھا مضر کا رجب (قبیلہ مضر اس مہینہ کی بہت تعظیم کرتا تھا) جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہوتا تھا۔)

نبی کریم نے قمری تقویم کی مختلف مواقع پر تاکید فرمائی اور اس کے متعلق اہل ایمان کو متوجہ کرتے رہے۔"يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ"[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے حج کا وقت معلوم ہوتا ہے۔[2]

یعنی اپنے معاملاتِ زندگی اور امور تعبّدی میں قمری تقویم سے مستفید ہونے کے متعلق رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

1- شمس و قمر کا ارکانِ اسلام سے تعلق:

اسلام دین فطرت ہے اس میں سورج و چاند دونوں کو اپنے اپنے مقام پر اہمیت دی ہے۔روزوں میں سحری و افطاری کا تعلق سورج سے ہے۔اسی طرح کچھ دیگر شعائر بھی سورج ہی سے متعلق ہیں، جیسے:

(الف) **نماز** میں فرض اور نفلی نمازوں (اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد) کا تعلق سورج سے ہے۔اسلام ایک آسان اور فطری دین ہے اس لئے اس کے کچھ امور اور عبادات میں ایام کے تعین کے حوالے سے ایاب وذہاب، شمس و قمر سے ایک گونہ تعلق ہے جیسے نماز و دیگر عبادات۔

1-البقرۃ2،آیت189

2-ابن کثیر، عمادالدین،امام تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2007،ج1،ص107

(ب) **روزہ:** اس کے سحری اور افطاری کے اوقات کا تعلق بھی سورج سے ہی ہے۔

(ج) **زکوۃ:** کی ادائیگی کے لئے سال کے ایام کی گنتی بھی قمری حساب سے ہی ہوتی ہے۔

(د) **حج:** ایام حج میں جب تک غرّہ ذی الحج کا تعین نہ ہو تب تک ایام حج کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ منیٰ اور عرفات میں کب اور کس وقت جانا ہے، مزدلفہ کب واپسی ہے، رمی الجمار اور قربانی وغیرہ کی تعیین بھی اصلاً ہلال ذی الحج سے ہی متعلق ہے۔

(ہ) **عیدالفطر** اور عیدالاضحیٰ کا چاند کے طلوع سے تعلق ہے۔

2-قمری تقویم کی خصوصیت اور انفرادیت:

اس تقویم کے اندر ایک فطری سادگی ہے اور ہر عام وخاص کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہے اس کے علاوہ اس کی قدامت اور درستی بھی دیگر تقاویم سے قوی اور قدیم ہے۔ اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ علماء اس کے اہتمام کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں اور اس کی نمایاں خصوصیات بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس میں اس قدر اہتمام کیوں ضروری ہے۔

(چاند کا گھٹنا اور بڑھنا) ''لوگوں کے دینی معاملات میں اوقاتِ مخصوصہ اور مدتِ معینہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہے اور خصوصاً حج، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے لئے یعنی اس سے حج، روزہ اور عدت کے ختم ہونے اور قرض وغیرہ کے معاملات کی مدت اور وقت کا علم ہوتا ہے قمری حساب کا جاننا نہایت آسان ہے ہر شخص چاند کے حساب سے تاریخ شمار کر سکتا ہے شمسی حساب کے لئے جنتری درکار ہے ہر کس وناکس شمسی حساب کو نہیں سمجھتا۔ علم ریاضی میں بغیر کمال حاصل کیے شمسی حساب کا سجھنا ممکن نہیں اور چاند کا حساب قدرتی اور آسان ہے جو سہولت قمری حساب میں ہے وہ شمسی حساب میں نہیں اس لئے شریعت نے حج، روزہ، زکوٰۃ اور عدت وغیرہ کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے۔ حج اور زکوٰۃ میں قمری حساب کا اعتبار ہے شمسی حساب کا اعتبار نہیں۔ شریعت میں مہینہ اور سال قمری ہی معتبر ہے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ ہے اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر

سب کے سب قمری حساب کو ترک کر دیں تو گنہگار ہوں گے جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے"[1]

قمری تقویم میں بہت سی حکمتیں ہیں کہ جن سے مسلمانوں کا محروم ہونا ایک المیہ ہوتا اور اس کے علاوہ یہ قمری و اسلامی تقویم دنیا کی کسی بھی تقویم سے زیادہ فطری، سادہ جدید اور مکمل ہے۔ اس کے ذریعے اوقات عبادات کی تعیین بھی فطری اور سہل انداز میں ہو جاتی ہے۔ اور دین فطرت کا تقاضا بھی یہی فطری تقویم تھی۔ شرک، الحاد، نفس پرستی وغیرہ کے سبب بگڑی ہوئی فطرتوں کی تہذیبیں اس پاکیزہ تقویم کی نعمت کا کما حقہ ادراک ہی نہیں کر سکتیں۔ ذیل میں قاضی سلیمان منصور پوری صاحب کا ان کی کتاب "رحمۃ للعالمین" میں مذکور قدرے طویل لیکن تحقیقی انداز کا حامل ایک اقتباس پیش خدمت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کیونکر قمری تقویم کو اہمیت دی اور اپنے کچھ امور و عبادات کی تعیین اوقات کے لئے اسے کیوں ضروری قرار دیا۔

اسلام میں سنہ ہجری کا استعمال بعہد خلافت عمر فاروق جاری ہوا (یوم الخمیس 30 جمادی الثانی 17ھ / 9 جولائی 638ء) علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے سن کا شمار واقعہ ہجرت نبویہ سے کیا گیا اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے محرم کو پہلا مہینہ مقرر کیا گیا سن ہجری میں ایک عجیب فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ شروع سے حال تک اپنی صورت مجوزہ پر چلا آتا ہے جو دنیا کے مروجہ سنین میں سے غالباً کسی سنہ میں نہیں پائی جاتی۔

دوسری عجیب خصوصیت اس کی یہ ہے کہ بلحاظ تداول و استعمال بھی سنہ ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم سنہ ہے۔ اگرچہ وہ اپنے اعداد کے لحاظ سے سنہ ہجری سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں مثلاً یکم محرم اھ 6 جولائی 3535 جولین کے مطابق۔

---

[1]- کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، فرید بک ڈپو، نیو دہلی، انڈیا 2001ء ج 1، ص 380

(الف) جولین پیریڈ کا سنہ بظاہر سنہ ہجری سے 3534 سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ سنہ ہجری سے 989 سال بعد 1582ء میں وضع ہوا۔

(ب) سنہ عبرانی کے مطابق یکم محرم ۱ ہجری کے دن 3 آب 4382 عبری تھا۔ اس لئے بظاہر سن عبرانی ہجری سے 4381 سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے ۔ مگر دراصل یہ سنہ 1582ء میں وضع ہوا ہے ۔ ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا۔

(ج) سنہ کل جگ سنہ ہجری سے 3723 سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر یورپین مؤرخ اور ہیئت دان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سنہ چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا یعنی اپنے حساب سے ۳۴ صدیوں کے گزرنے کے بعد اس کا نام عالم وجود میں لایا گیا تھا

(د) سنہ سکندری سنہ ہجری سے 932 سال پہلے کا ہے۔ مگر اپنی موجودہ ہیت میں نوزائیدہ ہے کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے اور اب اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(ھ) سنہ پروشٹہ سن ہجری سے 678 سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور یورپین محققین (بال کرشنا ڈکشٹ۔ رابرٹ سیول وغیرہ) تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سنہ 898 پروشٹہ میں جاری ہوا تھا یہ پہلا سال جو سنہ پروشٹہ کے نام سے موسوم ہوا 227ھ کے مطابق تھا اس لئے سنہ ہجری سنہ پروشٹہ سے 227 سال پہلے کا ہے۔

(و) سنہ عیسوی قدیم کا استعمال یورپ میں آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا جب کہ سنہ ہجری کی دوسری صدی تھی۔

(ز) عیسوی جدید یعنی جو سال کہ اب یورپ وامریکہ میں سب جگہ جاری ہے انگلستان میں 1752 عیسوی بمطابق ذیقعدہ 1165 ہجری میں جاری ہوا تھا۔

اسلام نے سال کا شمار قمری حساب پر رکھا ہے اور اس حساب کو شمسی حساب کے برابر کرنے کی لئے کوئی ''لوند'' یعنی ''کبیسہ'' کا مہینہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے ضروری تھا کہ شارع علیہ السلام اس نہج سے حساب کو پسند فرماتے جو فطرت کے اصول پر مبنی بر مصلحت دین ہے اسلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت مساوات کی بھی ہے اور ایک خصوصیت اس کی ہمہ گیری بھی ہے۔ اسلام نے ان خصائص کی حصانت وحمایت میں یہ پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے موسم میں آیا کریں اور لوند وغیرہ کے اضافے سے اس صفتِ تقلّبِ ایام کا سدِباب نہ کیا جائے۔

ماہ وایام کے قمری ہونے کی عقلی وجوہ اور حکمتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذرا اسلام کے رکن چہارم ماہ رمضان پر غور کرو کہ اگر نبی ﷺ ماہ صیام کے لئے کوئی شمسی مہینہ مقرر فرمادیتے یا قمری حساب میں کبیسہ (لوند) لگانا منظور فرمالیتے تو نتیجہ کیا ہوتا حضور ﷺ کا مقرر کردہ مہینہ خواہ گرم موسم کا ہوتا یا سرد موسم کا مگر لابُدّ حالت یہ ہوتی کہ نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ کے لئے آسانی میں اور نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ کے لئے تنگی و سختی میں پڑ جاتے کیونکہ علم جغرافیہ کے ایک عالم سے یہ امر

پوشیدہ نہیں ہے کہ ماہ دسمبر جو نصف شمالی دنیا کا سرد اور سب سے چھوٹے دن کا مہینہ ہے۔ وہ نصف جنوبی دنیا کا گرم اور طویل دن کا مہینہ ہے۔ پس اسلام کی مساوات جہانگیری کا اقتضاء ہی یہ تھا کہ اسلامی سال قمری حساب پر ہوتا اور قمر کی حرکات کو انسانی اختراع لوند وغیرہ کی شمولیت سے کالعدم نہ کر دیا جاتا"[1]

مختصر یہ کہ دین اسلام کی فطری سادگی اور آفاقیت کی آئینہ دار ہجری تقویم ہی ہو سکتی تھی۔ اس لئے حکمت الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ تا قیام قیامت اس امت کو ایسے سہل و فطری انداز میں کچھ امور (جیسے رضاعت، عدت، روزہ، زکوۃ، حج کی تعیین ایام) کی طرف رہنمائی کر دی جائے کہ کسی کے لئے اس پر عمل کرنا مشکل نہ ہو اور سادہ سے سادہ انسان بھی کسی اشتباہ کا شکار نہ ہو۔ اور ہر مسلمان کے لیے دین سمجھنا آسان ہو جائے۔

---

[1]۔ منصور پوری سلیمان قاضی، رحمۃ للعٰلمین، مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2006، ج2ص454تا456

(ب) علمِ فلکیات میں مسلمانوں کی خدمات کا مختصر جائزہ

تعارفِ فلکیات:

اس فن کو ہیئت، فلکیات اور اسٹرانومی(Astronomy) کہا جاتا ہے۔اس فن کی تعریف(Definition)' اس کے بنیادی موضوع اوراس کے مقصد سے آگہی ضروری ہے تاکہ مقصد کے تعین سے مطالعہ کی جہت متعین ہونے میں آسانی ہو۔

فلکیات سے مراد" وہ علم ہے جس کے ذریعے سیاروں،ستاروں اور کہکشاؤں کی حرکات اور مختلف کیفیات سے آگہی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

اس فن کا **بنیادی موضوع** اجرام فلکیہ ہیں۔جب کہ اس فن کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ ان اجرام فلکیہ کے مربوط نظام، حرکات میں جو حسن ترتیب وارتباط اور کمال درجے کی باقاعدگی وہم آہنگی ہے اس کا مطالعہ بطور آیات الہیہ کے کیا جائے۔تاکہ نظری وعقلی طور پر نعمت توحید حاصل کی جاسکے۔اوران اجرام کی نشانیوں سے فائدہ اٹھاکر متعلقہ شرعی احکام پر عمل کرکے رضائے الٰہی کا حصول ممکن بنایا جاسکے۔

1- فلکیات میں غوروفکر، معرفت الٰہی کاذریعہ ہے:

اس لئے مسلمانوں نے اس فن کو محض علمی سیر تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معرفت الٰہی کاایک ذریعہ بنایاہے۔اہل اسلام کے مطالعہ کے بنیادی رخ کے تعین کی بدولت یہ فن عبادت میں ممد ہونے کے سبب ایک معاون دینی علم بن گیا۔

قرآن مجید میں ان اجرام فلکیہ کے حوالے سے تدبر وتعقل کی تلقین کی گئی ہے۔ زمین وآسمان وسیارگان اور دیگراس طرح کی آیات کونیہ میں غوروفکر کی قرآنی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے اسلاف نے اس علم پر اپنی ذہنی صلاحتیں صرف فرمائیں۔ بڑے بڑے شہ دماغ اس طرف متوجہ ہوئے انہوں نے رصد گاہیں بنائیں،ستاروں کی فہرستیں مرتب

کیں۔ان کے نام لکھے، مختلف حوالوں سے تجربات کیے اور اپنے نتائجِ تحقیق سے اہل علم کو آگاہ کیا۔قرآنی تلقین اور دینی امور سے تعلق کے سبب اس علم سے اسلاف کی دلچسپی اس قدر بڑھ گئی کہ فلکیات کو باقاعدہ طور پر دینی نصاب کا حصہ بنادیا گیا۔

((اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ))

''فضیلت وہ ہے کہ جس کی گواہی دشمن دیں''

اگر یونانی علوم اور یورپین تحقیقات کے درمیان مسلمانوں کی تحقیقات، مشاہدات اور تجربات کی اہم کڑیاں نہ ہوتیں تو دنیا آج اس ترقی پر ہر گز نہ پہنچ سکتی۔ یہ مسلمانوں کی علم پروری کا انداز اصل میں قرآنی ترغیب و تحریض کا نتیجہ ہے جو قرآن مجید نے شمس و قمر اور نجوم وسیارگان پر غور و فکر، تدبر و تفکر اور تفحص و تحقیق کی تلقین و حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے جملہ انسانی علوم اور بالخصوص فلکیات کے میدان میں کارہائے نمایاں سر انجام دیے، اور یونان کی فلکیات میں مزید تجربات اور تصحیحات کی بدولت اس میں شاندار اضافہ کیا اور تجربات و مشاہدات کی ایک دنیا آباد کردی۔ نتیجتاً فلکیات کے تخمینی و نظری علم کو تجربات کی تصدیقات میسر آئیں۔

2- مسلم سائنسدانوں کا یونانی علم ہیئت کی اصلاح اور اضافہ:

مسلمانوں نے یونانیوں کے علم ہئیت کو نہ صرف عربی میں منتقل کیا بلکہ یونانی علوم کی اصلاح کی اور اپنے تجربات کی بدولت اس علم میں گرانقدر اضافہ کیا۔ عربوں کی اس علمی گرم بازاری کے متعلق ایک فاضل محقق لکھتے ہیں:

''مسلم سائنس دانوں نے آلات رصد ایجاد کئے، اور متقدمین کے پیش کردہ نظریات پر نظر ثانی کا کام انجام دیا۔ مشہور عباسی خلیفہ المامون کے عہد میں بنی موسی نے بغداد میں، ابوالحسن بن الصوفی نے شیراز میں، البستانی اور ابوالوفاء نے بغداد میں جو پیمائشیں کیں، ان میں بہت زیادہ

فرق نہیں ہے۔اس عہد میں کواکب کی فلکی رفتار کی تحقیق کی گئی۔اس پیمائش اور زمانہ حال کی پیمائش میں کافی حد تک مماثلت ہے۔ایک سال میں 365 دن 6 گھنٹے 9 منٹ 13 سیکنڈ ہوتے ہیں۔ بطلیموس نے 5 گھنٹے 55 منٹ اور 12 سیکنڈ بتایا تھا البستانی نے ۵ گھنٹے، 40 منٹ اور 24 سیکنڈ بتایاثابت بن قرۃ نے چھ گھنٹے، 9 منٹ اور 11 سیکنڈ بتایا ہے باقی وہی بتایا جو آج کی تحقیق کے مطابق ہے۔زمین کے نصف قطر کی پیمائش البیرونی نے کی اور بطلیموس کی غلطیوں کو واضح کیا۔البیرونی نے ناندا کے مقام پر تجربات کئے۔ابن یونس (1008ء) نے بھی تجربات کئے۔ فلکیات کے موضوع پر الحسن المراکی (680ھ/1281) کی کتاب "جامع المبادی والغایات" میں ان تمام آلات کی تفصیل دے دی گئی ہے، جو عربوں کے فلکیاتی تجربات میں استعمال ہوتے تھے۔ مستشرق امیدی سیدیو کے الفاظ "صحیح علوم اور تکنیکی تشریح کے لئے رنجن المراکشی کی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے" المراکشی نے کواکب کی حرکات کے بہت سے جدول مرتب کئے ہیں۔

البیرونی نے اپنی کتاب "القانون المسعودی " میں (جس کا زمانہ تالیف 422۔427ھ /1030-1035ء ہے) گیلیلیو سے چھ سو سال پہلے بطلیموس کے اس خیال کو غلط بتایا تھا کہ روئے زمین ہی تمام عالم کا مرکز ہے اس نے حرکت شمس کے سلسلہ میں اس کے نظریہ کی غلطی کو اپنی ایک کتاب "الاثار الباقیة عن القرون الخالیة" (ص9) میں واضح کیا۔ البتروجی نے مرکزیت ارض کے نظریہ کی تردید کی اور ادکسوس (355۔408ء) کے خیال کی تائید کی۔ اندلس میں الزرقانی نے بھی بطلیموسی خیالات کی تردید کی تھی۔ نصیر الدین الطوسی اور ابن الشاطر الدمشقی (متوفی 777ھ/1375ء) نے

کواکب مجردہ کی حرکت پر وہ نظریات پیش کئے جو کہ کوپرنیکس کے نظریات کے مماثل ہیں۔ ابوحامدالصنعانی نے اسطرلاب کی ایک نئی صنف بنائی" [1]

3- اہلِ یورپ کی علم دشمنی:

ایک طرف علم کی یہ گرم بازاری تھی دوسری جانب اہل یورپ جواس وقت قرون مظلمہ(Dark ages) میں تھے۔تب وہاں علم وفن اور تحقیق و تفحص ایک ناپسندیدہ بلکہ جان لیوا کام تھا۔چرچ،ہر علمی کاوش کوناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتااوراپنے مزعومہ ومذمومہ خیالات کے خلاف کوئی نتیجہ تحقیق سننے کارودارنہ تھا۔فلکیات پر تحقیق کے حوالے سے ایک یورپی ماہر فلکیات کوپرنیکس نے جب اپنے نتائج تحقیق کواہل علم کے سامنے رکھناچاہاتواسے سخت آزمائشوں سے دوچار ہوناپڑا۔اہل کلیسااس کی جان کے درپے ہوگئے ایک یورپین مورخ ڈاکٹر جان ولیم ڈریپراس تاریخ سے آگاہ کرتے ہیں کہ:

"پروشیا کے ایک مہندس کوپرنیکس نے 1507ء میں ایک کتاب "ادواراجرام فلکی" کے عنوان سے لکھی تھی۔جوانی کے زمانے میں اس نے اٹلی کاسفر کیا تھااور فن ہیئت کی تکمیل کے بعدروما میں ریاضیات کا درس بھی ایک عرصہ تک دیا تھا۔نظام بطلیموس و نظام فیثاغورث کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ثانی الذکر نظام صحیح ہے اوراس کی تصنیف کا مقصد اسی کی تائیدوتوثیق تھا۔چونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے خیالات وحقائق،اسے موردِعتاب کلیسائے عیسوی بنائیں گے۔لہذااس نے اپنی کتاب کامقدمہ جس کاروئے خطاب پاپائے پال ثالث کی طرف ہے حزم واحتیاط کی راہ سے معذرت کے پیرایہ میں اس طرح شروع کیاہے۔

---

[1]۔ثناءاللہ ندوی، محمد،ڈاکٹر،عربی اسلامی علوم اور مستشرقین ،توحید ایجوکشین ٹرسٹ ، کشن گنج بہار،انڈیا 2004،ص256-257

''میں نے صرف بطور تجربہ اس بات کی تحقیق کرنے کی جرأت کی ہے کہ اگر زمین کو متحرک فرض کرلیا جائے تو آیا یہ ممکن ہے کہ اجرام سماوی کی گردش کی جو توجیہات قدماء نے کی ہیں ان سے کوئی زیادہ تر معقول توجیہ ہمارے ہاتھ آئے۔ قیاسات کے قائم کرنے کا حق ایک ایسا حق ہے جو دوسروں کو بھی اس سے پہلے عطا کیا جاچکا ہے۔ اور میں نے بھی اس کتاب کی تصنیف میں اسی حق سے فائدہ اٹھایا ہے''۔

اس ڈر کے مارے کہ خدا جانے کتاب کے شائع ہوتے ہی کیا آفت اس پر ٹوٹ پڑے اس نے چھتیس سال تک اس کی اشاعت نہ کی اور اسی شش و پنج میں رہا کہ ممکن ہے کہ مصلحت اسی میں ہو کہ جس طرح فیثا غورث اور دوسرے حکماء اپنے معلومات کو سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے آئے ہیں اور ان کے عقائد بجز ان کے خاص خاص احباب کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوئے اسی طرح میں بھی اپنے اصول کی تلقین کا حلقہ اپنے دوستوں تک ہی محدود رکھوں اور آئندہ نسلوں تک انہیں بذریعہ روایت ہی پہنچادوں لیکن آخرکار اپنے دوست پادری شومبرگ کے بے حد اصرار پر اس نے 1543ء میں اس کتاب کو شائع کیا۔ جب مطبع سے چھپ کر آئی تو اس کا حشر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ ''انکو یزیشن'' (مذہبی تعذیبی عدالت) نے اسے ملحدانہ قرار دیا اور اس حکم امتناعی میں جس کی رو سے اس کتاب کا پڑھنا جرم قرار دیا گیا نظام کوپر نیکس کی نسبت یوں درافشانی کی گئی۔ ''یہ وہ باطل فیثا غورثی مذہب ہے جو کتب مقدسہ کی ضد ہے''

ہیئت دانوں کا یہ قول بالکل درست ہے کہ کوپرنیکس کی کتاب نے علم ہیئت کی شکل ہی بدل ڈالی۔ اس نے نظریہ شمسی المرکز کے حق میں قول فیصل بن کر آفتاب کو نظام اجرام کا مرکز قرار دیا اس نے ثابت کر دیا کہ ستاروں کا فاصلہ زمین سے اس قدر ہے کہ ہمارا وہم و گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا اور زمین فضائے غیر متناہی میں بمنزلہ ایک چھوٹے سے نقطہ کے ہے۔

نیوٹن پر کوپر نیکس کو یہ تقدیم حاصل ہے کہ اس نے آفتاب قمر اور دوسرے اجرام سماوی میں کشش ثقل کا موجود ہونا تسلیم کیا''۔[1]

معروف یورپین جہاز ران کولمبس جس کے سر پر امریکہ کی دریافت کا سہرا باندھا جاتا ہے اس کے ساتھ اہل کلیسا نے کیا سلوک کیا؟ جبر اور ذہنی تشدد اس وقت کس قدر عروج پر تھا اور یورپ کا مجموعی علمی مزاج کیسا تھا؟ اور اہل علم و فن اس وقت کیسی کیسی ذہنی اذیتوں سے گزرتے تھے اور تخلیقی عمل پر کس قدر ''تعذیبی پہرہ'' تھا اس کا پوری طرح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تاہم اس کے کچھ پہلو ہی لوگوں کے سامنے رکھے جا سکتے ہیں تاکہ انہیں اس عہدِ ظلمت کی ظلمتوں کا کسی قدر اندازہ ہو جس میں یورپ ڈوبا ہو تھا اور ہر علم بشمول فلکیات کی تحقیقات کو بھی شک کی نظر سے دیکھا جاتا اور مذہب دشمن سمجھا جاتا تھا۔ ایسے عالم میں مسلمان علماء کس قدر وسیع النظر اور روشن خیال تھے۔ اس پر ڈاکٹر ڈریپر کولمبس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''کولمبس بیان کرتا ہے کہ اس مسئلہ کی طرف اس کی توجہ ابن رشد کی تحریرات نے منعطف کی، اس کے علاوہ اس کا ایک دوست ٹاسنلی نامی فرانس کا رہنے والا تھا جس کو فن ہیئت کے مطالعہ کا بدرجہ غایت شوق تھا۔ ٹاسنلی مسئلہ کُرَوِیتِ شکلِ زمین کا بہت بڑا حامی تھا اور کولمبس کے خیالات پر اس کی تعلیم کا بھی قوی اثر پڑا۔ لیکن جنیوا میں کولمبس کی حوصلہ افزائی بہت کم ہوئی۔ کئی سال تک وہ مختلف ممالک کے فرمانرواؤں اور امراء کو اپنے مجوزہ ارادہ کی تکمیل کی سرپرستی پر آمادہ کرتا رہا لیکن اس کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ پادریوں کو اس کے ارادہ میں کفر اور زندقہ کی ڈراؤنی صورت نظر آئی اور سیلیمنکا کی مسیحی کونسل نے اس پر '' بدعت'' کا فتویٰ لگایا۔

---

[1]- ڈریپر جان ولیم، ڈاکٹر، معرکہ مذہب وسائنس، ص277تا278، مترجم مولانا ظفر علی خان، الفیصل پبلشرز لاہور، 1995

چاروں طرف سے پادریوں کی یہ آوازیں آنے لگیں کہ جو شخص زمین کو گول مان کر اس کے گردا گرد سفر کرنے کی ملحدانہ کوشش کرتا ہے وہ عہد عتیق ' عہد جدید ' زبور ' رسولوں کی پیشین گوئیوں اور سینٹ کریسا سٹم۔ سینٹ اگسٹائن روم۔ سینٹ گریگوری۔ سینٹ بیل اور سینٹ ایمبروز کے نوشتہ جات اور ملفوظات کو جھٹلاتا ہے۔" [1]

4- فلکیات کے میدان میں مسلم سائنسدانوں کی خدمات و تحقیقات:

اہل اسلام نے فلکیات میں اہل یورپ کو صدیوں تک اپنے علمی افکار اور نتائج تحقیق سے سیراب کیے رکھا۔ عالم اسلام میں علوم کی گرم بازاری تھی اور بالخصوص فلکیات سے خاص اعتناء کیا جاتا تھا کیونکہ اس علم کا تعلق مطالعہ کائنات کے ساتھ ساتھ اسلامی عبادات کے ساتھ بھی تھا اس لئے اس علم سے ہزاروں شخصیات وابستہ رہیں۔ جیسے امام فخر الدین رازی جو ایک جلیل القدر مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معروف ماہر فلکیات بھی تھے۔ یہی حال اصحاب علم کا تھا۔

اس علم کی وسعت ، تعمق اور پھیلاؤ کا یہ عالم تھا کہ اس پر سینکڑوں چھوٹی بڑی تصنیفات و تحقیقات وجود میں آئیں،اس سے علم میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ چنانچہ یورپ کے ایک صاحب علم کراوینیلو نے عرب ماہرین فلکیات کے حالات چار جلدوں میں لکھے ۔ اس کتاب کا ترجمہ ایک مصری عالم نے "علم الفلک عند العرب فی القرون الوسطیٰ" کے عنوان سے کیا ہے۔اس علم میں مسلمانوں کی خدمات خیرہ کن ہیں۔ڈاکٹر ڈریپر لکھتے ہیں:

"علم ہیئت میں مسلمانوں نے نہ صرف ستاروں کی فہرستیں تیار کیں بلکہ اس حصۂ آسمان کے نقشے بھی تیار کئے جو ان کے پیش نظر تھا۔ بڑے

[1]- ڈریپر جان ولیم،ڈاکٹر،معرکہ مذہب وسائنس،مترجم مولانا ظفر علی خان،الفیصل پبلشرز لاہور، 1995،ص271

بڑے ستاروں کے انہوں نے عربی نام بھی رکھے اور آج کے دن تک ستارے انہیں ناموں سے مشہور ہیں۔انہوں نے سطح زمین کے ایک ایک درجہ کی پیائش کرکے اس کی جسامت دریافت کی۔" طریق الشمس کا اعوجاج" معلوم کیا۔آفتاب وماہتاب کی صحیح میزانیں شائع کیں۔سال کی مدت مقرر کی۔استقبال اعتدالین کی توثیق و تصدیق کی۔

لیپلیس نے البتانی کے " رسالہ علم کواکب" کا ذکر ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے اور حاکم بامر اللہ خلیفہ مصر 1000ء کے دربار کے مشہور ہیئت دان ابن یونس کی ایک عالمانہ تصنیف کے بعض اجزا کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں المنصور عباسی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے مختلف مشاہدات فلکی مثلاً کسوف وخسوف، نقاط اعتدال لیل و نہار۔ نقاط انقلاب صیفی و شتوی۔ قرانِ سیارگان و احتجاب کواکب کے نتائج مندرج ہیں۔ان رصدی نتائج نے نظام عالم کے بڑے بڑے تغیرات پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔اس کے علاوہ ہیئت دانانِ عرب نے آلاتِ ہیئت کی ترکیب و تکمیل پر بہت سا وقت صرف کیا۔وقت کا اندازہ لگانے کے لئے مختلف قسم کی پانی اور دھوپ کی گھڑیاں ایجاد کیں اور سب سے پہلے اس مقصد کی تکمیل کے لئے "پنڈولم" یعنی رقاص ساعت انہوں نے ایجاد کیا"۔[1]

مسلمانوں نے نہ صرف یونانی علوم میں متعدد اضافے کیے بلکہ رصد گاہوں میں مشاہدات اور تجربہ گاہوں میں تجربات کی بدولت کئی یونانی نظریات کو غلط ثابت کیا۔اور یونانی

[1]۔معرکۂ مذہب وسائنس، ص 267

فلکیاتی نظریات کو اصلاح کے بعد ''تجرباتی ومشاہداتی سائنس'' میں بدل ڈالا۔ڈاکٹر ڈریپر مسلمانوں کی اس حیرت انگیز علمی رفتاراور وسعت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں:

''دوصدیوں کے اندراندر مسلمانوں نے نہ صرف یونان کے حکمائے طبیعیین کی تصانیف سے واقف ہوگئے بلکہ ہر علمی مسئلہ کے پس منظر پر نظرانتقاد ڈالنے کے قابل ہوگئے۔مامون نے بطلیموس کی تصنیف '' سنٹکسس''کاایک نسخہ ''المجسطی'' کے نام سے عربی میں کروایا تھایہ کتاب ہیئت دانانِ عرب کے لئے سب سے بڑاحوالہ اور مآخذ بن گئی اور انہوں نے اسکی بنیاد پر سائنس کے بہت اہم مسئلے حل کئے انہوں نے زمین کی جسامت دریافت کی۔ان تمام ستاروں کی فہرستیں تیار کیں جو اس حصہ آسمان پر نظر آئے ،جو ان کے مقابل تھااور بڑے بڑے ستاروں کے نام رکھے جو آج تک تبدیل نہیں ہوئے۔انہوں نے سال کی صحیح مدت کااندازہ لگایا۔انعطاف ضیائے کوبکی کے اصول کی تحقیق کی۔ جن آلات سے ستاروں کی روشنی کااندازہ کیا جاتاہے۔ان کو بہت کچھ ترقی دی۔یہ اصول دریافت کیاکہ شعاع نور ہوا میں بشکل قوس گزرتی ہے۔چانداور سورج کے افق پر نظرآنے کی توجیہ کرتے ہوئے بتایاکہ یہ اجرام قبل از طلوع وبعداز غروب کیوں نظر آتے ہیں۔کرہ ہواکی بلندی کوناپااور یہ بلندی اٹھاون میل قرار دی جھٹ پٹے کی اصلی کیفیت اور ستاروں کے جھلملانے کی صحیح وجہ بیان کی۔یورپ میں اول اول جورصدگاہ قائم ہوئی وہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی تھی۔اجرام فلکی کی نقل وحرکت کے متعلق ان کی باریک بینی ودقیقہ سنجی کااندازہ اس سے ہوسکتاہے کہ زمانہ حال کے قابل سے قابل مہندسوں نے ان کے

رصدی نتائج سے استناد کیاہے۔ مثلاً لیپلیس اپنی کتاب ''نظام عالم''میں لبنانی کے مشاہدات کی سند اس امر کے قطعی ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے کہ مرکز آفتاب اور مرکز مدارارض کا درمیانی فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔اسی طرح وہ مسئلہ اعوجاج طریق الشمس اور مشتری و زحل کی عدم مساوات ہائے اکبر کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے ابن یونس کے مترتبہ نتائج سے مدد لیتا ہے''۔[1]

5- عیسائی اہل علم کا مسلمان اہل علم سے رویہ:

بعض عیسائی اہل علم کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مسلمان اہل علم سے کھلے اور مسلسل استفادے کے باوجود،اس کے اعتراف میں بخل سے کام لیا یہ حقیقت ہے کہ یونانی علوم اور یورپین ترقی کے درمیان اگر مسلمان اپنی تحقیقات کی درمیانی کڑی نہ بنتے تو آج دنیا فنی، سائنسی اور عقلی اعتبار سے صدیوں پیچھے ہوتی۔اس وقت عیسائیت توہم پرستی اور مردہ رسوم کا مجموعہ تھی انہیں علم،روشنی تحقیق سے عناد تھا ان کی اپنی ایک مخصوص عجائب پرستانہ فضا تھی جس میں تعقّل پسندی کا دم گھٹتا تھا ڈاکٹر ڈریپر لکھتے ہیں:

''عقدہ ماہیّت علم کے حل کرنے میں ہیئت دانان اسلام نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں ہم نے ان کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کیا۔ بہر حال اس زمانہ میں سائنس کو جو کچھ ترقی حاصل ہوئی مسلمانوں کی بدولت ہوئی۔عیسائی دنیا پر جہل واوہام کی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ مسیحیوں کو علمی مسائل کی ہوا تک نہ لگی تھی۔وہ مجسمہ پرستی۔ گور پرستی۔عشائے ربانی۔کرامات اولیا۔ معجزات۔تصرفات ارواح اور خوش عقیدگی کے

1۔ معرکۂ مذہب وسائنس، ص268

اسی طرح کے دوسرے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے تھے۔اس خواب غفلت سے مسیحی دنیاپندرھویں صدی کے خاتمہ تک بیدارنہ ہوئی۔اس وقت بھی شوق علم اس کے جاگنے کا باعث نہ ہوا۔بلکہ اسباب ترغیب کچھ اور ہی تھے یعنی اقوام یورپ میں تجارتی رقابت پیدا ہوگئی اور کولمبس ڈی گاما اور فرڈیننڈ میگیگن کی جہازرانی مسئلہ شکل زمین کے تصفیہ کاآخر باعث ہوئی'' [1]

مختصر یہ کہ آج اہل مغرب جس تحقیق پر نازاں وفرحاں ہیں اس کی بنیاد میں مسلمانوں کی کدوکاوش، تحقیق، تجربات اور مشاہدات کی صدیوں پر محیط علمی روایت رہی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ارض وسماء اور سیارگان کی طرف متوجہ کرکے انہیں ایک مہمیز دیئے رکھی۔ نتیجۃً مسلمانوں نے اس فن کو اپنے دین کا حصہ سمجھ کر اپنایا اور اس میں شاندار، حیران کن اور خیرہ کن حد تک ترقیاں کیں۔جبکہ اس وقت اہل یورپ کے ہاں علم کی کچھ بھی قدرومنزلت نہ تھی۔تجربات اور مشاہدات کی دنیاسے وہ صدیوں کے فاصلے پر تھے عجائب پرستی، توہمات اور بے روح مذہبی رسوم نے ان کی تحقیقی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ کرر کھ دیا تھا۔

مسلمانوں کی تجرباتی سائنس تھی۔جس نے انہیں روشنی دکھائی۔بغداد اور مسلم اسپین میں دنیائے فرنگ سے متلاشیان علم جوق در جوق آتے اور یہاں کی لائبریریوں، تحقیقی اداروں اور فلکیاتی رصد گاہوں سے اکتساب فیض کرتے۔مسلم امہ نے قرآنی حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں کسی بھی دور میں تحقیق اور آگہی، تجربات ومشاہدات سے اپنارشتہ نہیں توڑا۔سیارگان کے عربی نام ان کی فہرستیں ان کی چالیں اور مختلف منازل کے عربی اسماء آج بھی فلکیات میں مسلمانوں کے عروج کی یاددلاتے ہیں۔ ؏ گزرچکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

[1]۔معرکۂ مذہب وسائنس، ص268

علم فلکیات اور اس سے متعلقہ علوم میں ہمارے اسلاف نے صدیوں تک تحقیق وتدقیق کے میدان کی تنہا قیادت کی ہے۔ مدینۃ العلم بغداد سے لے کر خلافت کے اطراف واکناف تک رصدگاہوں کی تعمیر اور وہاں متعلقہ آلات کی فراہمی اور اس کے ساتھ ساتھ نئی تحقیقات کو دلیل ومشاہدے کے ساتھ قبول کرنا ہماری شاندار علمی روایت کا حصہ رہاہے۔ چنانچہ اہل اسلام نے ایک طرف یونانی علوم وفنون کا ترجمہ وتشریح کی تو دوسری جانب اس میں اپنی تحقیق اور تعقّل سے متعدد نظری ابحاث میں شاندار اور منفرد اضافہ کیا۔ اور ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اگر مسلمانوں کی ان تحقیقات سے یورپین اقوام نے فائدہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج انسانیت صدیوں پیچھے ہوتی ۔آج یورپ اور امریکہ کے منصف مزاج مورخ سائنسدانوں کی مسلمانوں سے اخذ علم کی اس روایت کا اقرار کرتے ہیں۔

6- عہدِ حاضر میں مسلمان اہل علم کی علمی تنزلی کی وجوہات:

آج جب کہ مسلمان سیاسی زوال کا شکار ہیں معاشی کمزوریاں، تحقیقات میں سد راہ ہیں اور اخلاقی پستی کی ایک ایسی مجموعی فضا ہے کہ جس میں اہل علم کی معاشی سرپرستی تو کیا آج ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے بھی کوئی تیار نہیں۔ قدر شناسی اور حروف تحسین عنقاء ہو چکے ہیں ۔اس کے بالمقابل یورپین ممالک کی سائنسی تحقیق کا بجٹ ہمارے ملک کے مجموعی بجٹ سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کی ریسرچ و تحقیق کی وسعت تیزی اور باریک بینی کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔اس کے باوجود مسلمان اہل علم، فلکیات میں اس لئے دلچسپی لیتے ہیں کہ متعدد دینی و تعبدی امور سے متعلق ہونے کی بناء پر اس فن سے انکا رشتہ تاہنوز نہیں ٹوٹا۔ سو تمام تر مسائل مشکلات اور نامساعد حالات کے باوجود وہ اس باب میں اب تک تحقیق و تفحص کا سلسلہ کسی نہ کسی انداز سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

فلکیات کے اس مختصر جائزے میں ہم اب اس مرحلے تک پہنچے ہیں کہ پہلے امراء اور ملوک اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے انہیں فکر معاش سے بھی بے نیاز کرتے تھے اور اپنے

وقت میں جو دستیاب مواد ہوتا تھا وہ بھی ان کو مہیا کرتے تھے۔ نتیجتاً ایسے لوگ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو اس فن میں کھپاتے تھے اب حال یہ ہے کہ جدید تعلیم کے لیے حکومت کے ہاں کروڑوں اربوں اور اس سے زیادہ بجٹ موجود پڑے ہیں لیکن طعنہ یہ دیا جاتا ہے کہ علماء نے کیا کیا؟ علماء کو چندے اور دیگر چیزوں پر لگادیا گیا علماء نے بھی حالات کے تناظر میں اپنا معاملہ بالکل سمیٹ کر اس پر لے آئے ہیں کہ ہم لوگوں کی جو ظاہری دینی علامات ہیں ان کو مٹنے سے بچادیں اور عبادات کا ایک جو تشخص ہے ان کی حفاظت کر دیں۔ اگر مخصوص صلاحیتوں کے حامل علماء کو بھی لیبارٹری بنا کر دی جاتیں اعلی قسم کی دوربینیں مہیا کی جاتیں اور ان کو فکر معاش سے بے نیاز کیا جاتا، تو ہمارے دینی مدارس سے فلکیات کے حوالے سے ایک بہترین ٹیم وجود میں آجاتی، ان کی عصری تحقیقات پر شمس و قمر سے متعلق اور رؤیت سے متعلق معاملات پر اہل یورپ بھی اعتماد کرتے حکومت اور اہل مال اس طرف توجہ دیتے نہیں۔ اب نہ وہ نوابوں کا زمانہ ہے اور نہ ملوک کا دور رہا، کہ وہ سرپرستی کریں۔ اب علماء کا حال یہ ہے کہ ان کے لیے فکر معاش کا مسئلہ بنا ہوا ہوتا ہے وہ اپنی اولاد کو نہیں پڑھا سکتے ہیں چہ جائیکہ وہ اپنی ساری صلاحیتیں ایسے معاملات پر صرف کریں، لیکن ایسے نامساعد حالات کے ہوتے ہوئے بھی ہمارے ہاں علماء نے اس فن میں جو کچھ کیا ہے اس کو دیکھئے۔

7- فلکیات کے میدان میں پاکستانی علماء کی علمی کاوشیں:

ملک عزیز میں اس حوالے سے کئی شخصیات ایسی رہی ہیں جن کی اس فن میں خدمات قابل تحسین ہیں۔ جیسے بالخصوص استاذ محترم جامع العلوم والفنون حضرت مولانا موسی خان صاحب رحمہ اللہ کی گرانقدر تحقیقی تصنیفات وتالیفات ہیں[1] جو اہل فن کے لئے نشان راہ ہیں۔ اسی طرح مولانا رشید احمد رحمہ اللہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی ''احسن الفتاوی''میں دینی

[1] -1-الھیئۃ الصغریٰ- 2-الھیئۃ الوسطیٰ- 3-الھیئۃ الکبریٰ- 4-فلکیاتِ جدیدہ

فلکیات پر شرح وبسط سے نقلی وعقلی دلائل کے ساتھ اعتناء کیا ہے۔ان کی دقیقہ رسی کی داد دینی پڑتی ہے کہ ان ہر دو مذکورہ بالا شخصیات نے مدرسہ کے دینی گوشہ میں رہ کر کس قدر باریک بینی کے ساتھ مشاہدات کیے اور اپنے نتائج علم کو پوری ذمہ داری کے ساتھ پیش کیا۔یہ نتائج تحقیق آج بھی فلکیات میں اہل علم کو رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

ہمارے ملک کے ایک صاحب درد، شبیر احمد کاکاخیل صاحب نے ''فہم الفلکیات'' لکھ کر کچھ مزید بحثوں کے دروازے کھولے،اشکالات کو حل کیا اور کئی پیچیدہ فنی فلکیاتی الجھنوں کو سلیقے کے ساتھ حل کیا اور ساتھ ہی طالبانِ دین کو اس فن کی اہمیت کا احساس دلایا۔

ایک علمی شخصیت مولانا ابولبابہ شاہ منصور صاحب ہیں۔آپ نے اس فن کی طرف بڑی دردمندی سے اہل دین کو متوجہ کیا اور دینی فلکیات کے کچھ گوشوں پر بڑی ہی سہل اور دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ع مکرر ہے لب ساقی پہ صلہ میرے بعد

ماہر فلکیات مولانا سلطان العالم صاحب وماہر فلکیات مولانا شہباز صاحب ہر دو حضرات جامعۃ الرشید کراچی کے مایہ ناز مدرسین اور شعبہ فلکیات کے منتظمین ہیں اس فن میں ہر ایک نے کتب تصنیف کی ہیں اور مختلف تحقیقات بھی کی ہیں۔ان کی خدمات بھی قابل صد ستائش ہیں۔اب ہمارے فاضل دوست مولانا حبیب اللہ نعمانی نے دینی فلکیات کے کچھ گوشوں پر اپنے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔کچھ امور کی تسہیل کی ہے۔ان کی کتاب پر کسی قدر تبصرہ تعارف کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔اللہ تعالی ان کے راہوار علم کو تحقیق وتدقیق کا وسیع میدان عطا فرمائے جہاں ان کو اپنی جولانئ طبع، مہارت فن اور متنوع ذوق کی گل کاریوں کا موقع مل سکے۔اور اس فن کی صف میں ایک باوقار مقام حاصل کر سکیں۔اور ان کی کاوشوں وکوششوں سے دیگر اہل علم کو بھی تحریض ومہمیز میسر آئے (آمین)

بندہ عاجز وہیچ مدان حافظ محمد سعید احمد عاطف

خطیب جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور

29رجب المرجب1434

کلماتِ افتتاح

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللہ الذي خلق الانسان من الطین، واو دع الایمان والیقین، فی القلوب المنیبین، وابدع السمٰوٰت والارضین، وزین السمآء الدنیا بالمصابیح المضیئین، وجعلھارجوما للشیاطین، و خلق کل شیء من الماء المھین، وصورہ بالصورۃ الحسین، فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین، الذي بعثه اللہ بالشریعۃ المتین، وارسلہ رحمۃ للعالمین، وفضلہ علی الخلائق اجمعین۔

و علی اٰلہ و اصحابہ الذین استقاموا لاتباع الدین، وصعدوا اقصیٰ معارج الصدق والیقین، و علٰی اھل بیتہ الطیبین والطاھرین، و علی الخلفآء الراشدین المھدیین، الذین بذلوا جھدھم لاشاعۃ الدین المبین، وعلی العشرۃ المبشرۃ المغفورین، الذین بُشروافی الدنیا بحور عین، وعلٰی جمیع المومنات والمومنین۔

آمدہ موضوعات کے حوالے سے، مطالعہ، لکھنے لکھانے اور غور و فکر کا ایک طویل سلسلہ ہے، جو برس ہا برس پر محیط ہے۔ اسی دوران کچھ مضامین باقاعدہ تحریری شکل میں بھی آ گئے اور پھر بفضلِ الٰہی یہ علمی ذخیرہ بتدریج بڑھتا چلا گیا۔

کچھ اصحابِ علم دوستوں نے اس کے چھپوانے پر اصرار فرمایا:

''العلم صید والخط قید''۔ اگر قید مضبوط ہے تو شکار بھی محفوظ ہے۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ایسے ہی ذہنی تصورات و خیالات جب زیب قرطاس ہو جاتے ہیں تو قید تحریر میں آ کر مفیدِ عام و خاص ہو جاتے ہیں۔ قید تحریر کی مضبوطی چھپائی میں مضمر ہے، ورنہ صرف دامِ تحریر کے لیے کوئی دوام نہیں ہے۔ بلکہ ہر آن معرضِ خطر میں رہنے کی بدولت خاطر جمع نہیں رہتا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ یہ مسودات ذائع ہو جائیں قبل اس کے کہ

ضائع ہو جائیں۔ چنانچہ محبین کی حوصلہ افزائی اور مخلصین کی دل جوئی سے کمرِ ہمت باندھی اور چند چیدہ چیدہ مقالات شائع کرانے کی جسارت کی ہے۔

ع: گر قبول افتد زہے عزو شرف

بلاشبہ میں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا معترف ہوں۔ "مرکب من الخطا والنسیان" بھی ہوں بنابریں کہیں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اصلاح فرما کر ممنون کریں۔ نیز یہ تحقیق اگر کسی حبیب کو پسند آئے تو اسے مصنف کی اجازت کے ساتھ شائع کروانے کا اختیار ہے کیونکہ مطلوب رضائے الٰہی اور افادۂ علم ہے نہ کہ مالی منفعت۔ البتہ کتاب میں ترمیم و تنسیخ کی اجازت نہیں ہے اگر اس کی ضرورت پڑ جائے تو مصنف کے مشورے سے ہو سکتی ہے۔ جملہ قارئین با تمکین سے التماس دعا ہے۔ کیونکہ مخلصین کی دعائیں ہم جیسے کم علم، کم ہمت اور کمزور لوگوں کو حوصلہ اور مہمیز دیے رکھتی ہیں۔

اس فن کے حوالے سے جو کچھ ہمارا علم و تحقیقات تھیں اسے اہل علم کے حضور پیش کر دیا ہے۔ اب ارباب علم اور اصحاب دانش سے ہمیں توقع وامید ہے کہ وہ ہماری اصلاح اور حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ تاکہ اس موضوع پر مزید تحقیق کے در، وا ہو سکیں۔ ہم اس کے منتظر رہیں گے۔

بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانی عفاعنہ الغنی

خادم جامعہ اسلامیّہ الائی

30جون2013ء

0997-319032/ 03459484536

بابِ اول:

تَحْقِیْقُ الْمِیْلَادُ بِتَنْسِیْقِ الْاَعْدَادُ

ولادت، نبوت، ہجرت اور وفاتِ نبوی ﷺ کا تعیّن

ابجدی تقویم کی روشنی میں

ہم اس کتاب کا آغاز بطور برکت و نسبت عالی رحمۃ العالمین ﷺ کی ذات عالی کی عمر مبارک کی بحث سے کر رہے ہیں اللہ ہم سب کو نبی ﷺ کی اتباع اور محبت میں قبول فرمائیں۔

محبوبِ خدا، احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی تاریخ ولادت، بعثت، ہجرت اور وفات کے تعیّن میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے اور علمی اضطراب پایا جاتا ہے۔ کتبِ تاریخ و سیرت میں کئی جگہ بڑی ٹھوس اور مدلل علمی ابحاث ہیں کہ جن کی رو سے ان معاملات کو حل کرنے کی سعی و کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ان علمی کوششوں کی قدر دانی کے باوجود مسئلہ پوری طرح واضح ہو کر سامنے نہیں آیا جس سے ایک اضطراب در اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ عالی سے متعلق ان تواریخ کے تعیّن سے کئی دینی و تاریخی اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔

متقدمین کے ہاں تاریخِ ولادت میں خاصا اختلاف ہے۔ کوئی یکم یا دو ربیع الاوّل بتاتا ہے تو کوئی آٹھ نو لکھتا ہے۔ کوئی بارہ ربیع الاوّل کا اقرار کرتا ہے تو دوسرا کسی اور تاریخ پر اصرار کرتا ہے۔ البتہ یہ بات متفقہ و مسلمہ ہے کہ وہ دن سوموار کا اور ماہ ربیع الاوّل کا تھا۔ اب اس متفقہ نکتے کو مد نظر رکھتے ہوئے علم اعداد اور فلکیات کی روشنی میں تحقیق کی جائے گی کہ یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکے اور اہلِ علم و محققین اس کی تائید و تصویب کر سکیں۔

ابجدی تقویم کا کامیاب تسلسلِ زمانی:

حروف ابجد کے ذریعے چاند کے طلوع کا دن معلوم کرنے کی ابجدی تقویم اہل علم میں مشہور ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ، یا حضرت امام جعفر رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔

حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ میں حاشیہ پر علامہ قزوینی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ تقویم اجمالاً درج کی ہے۔[1] سینکڑوں سالوں سے علماء و محققین اس قاعدے کو مسلسل آزمارہے ہیں جس میں ابھی تک کوئی فرق اور کمی کوتاہی نہیں آئی ہے بلکہ اس حساب کے مطابق چاند کا طلوع مسلسل ہو رہا ہے۔ جنتریاں بن رہی ہیں، کوئی خاص شکایت تاحال پیش نہیں آئی ہے۔ البتہ کبھی کبھار ایک دن کا فرق پڑ جاتا ہے جو اگلے مہینوں میں خود بخود دور ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس حساب میں بالترتیب ایک مہینہ تیس (30) کا اور دوسرا انیتس (29) کا رکھا گیا ہے۔ بسا اوقات دو مہینے مسلسل 29 یا 30 دنوں کے آجاتے ہیں تو حساب مذکور میں ایک دن کی کمی یا بیشی پڑ جاتی ہے لیکن آئندہ مہینے میں یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

مثلاً تقویم میں صفر 29، ربیع الاوّل 30، ربیع الثانی 29 اور جمادی الاولی 30 کے حساب سے مکتوب ہیں۔ یکم صفر تقویم میں اگر بدھ سے ہے تو یکم ربیع الاوّل جمعرات سے، یکم ربیع الثانی ہفتے سے اور یکم جمادی الاولیٰ اتوار سے ہو گی لیکن آسمانی فیصلے میں ربیع الاوّل بھی اگر صفر کی طرح 29 دنوں پر مکمل ہوا یعنی جمعرات سے شروع ہو کر جمعرات پر ختم ہوا تو اب ربیع الثانی ہفتے کی بجائے جمعہ سے شروع ہو گا۔

---

[1]- حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 127

تقویم کی بہ نسبت ایک دن پہلے شروع ہونے کے باوجود پھر بھی ہفتے کے دن ختم ہو کر اتوار سے یکم جمادی الاولیٰ ہوگی کیونکہ اب کی بار ربیع الثانی شاید 29 کی بجائے 30 دنوں پر مکمل ہو جائے تو ایک دن کا واقع شدہ فرق خود بخود ختم ہو جائے گا۔

یہ تقویم آٹھ سالوں پر مشتمل ہے لیکن دائمی ہے کیونکہ ہر آٹھ سال کے بعد اس کی تجدید خود بخود ہو جاتی ہے مثلاً اگر امسال یکم رمضان منگل سے ہے تو ان شاء اللہ العزیز آٹھ سال بعد بھی یکم رمضان منگل سے ہوگی۔ اسی طرح سال کے بارہ مہینے اپنی سابقہ ترتیب سے شروع ہوں گے نیز ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھئے کہ جس دن سے یکم محرم ہوگی اسی دن سے یکم شوال ہوگی۔ جس دن سے یکم صفر ہوگی اسی دن سے یکم رجب ہوگی۔ جس دن یکم ربیع الاوّل ہوگی اسی دن یکم ذوالحجہ ہوگی۔ اسی طرح یکم ربیع الثانی اور یکم رمضان کا ایک دن ہوگا۔ یکم جمادی الثانیہ اور یکم ذوالقعد کا دن بھی مشترک ہوگا۔ یہ اشتراک بَیْنُ الشَّہرَیْن (دو مہینوں کے درمیان) سنوی اور اتفاقی ہے یعنی ہر دو مہینے ایک سال کے ہوں گے اور یہ اشتراک بھی حتمی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔ کبھی کبھار اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

استفادہ کا طریقہ:

اس تقویم کی ہیئتِ ترکیبی یہ ہے کہ آٹھ سالوں کے لیے بالترتیب یہ حروف ابجد مقرر ہیں۔

ا، ھ، ج، ز، د، ب، و، د، جن کا مجموعہ ہے، اھجزدبود۔

اور بارہ مہینوں کے لیے بالترتیب یہ حروف ہیں۔

ز، ب، ج، ھ، و، ا، ب، د، ھ، ز، ا، ج، ان کا مجموعہ ہے، زبج ھوابدہ زاج۔

سب سے پہلے سال کا نمبر اس طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے کہ مطلوبہ سنہ ہجری کو آٹھ پر تقسیم کر کے جو ہندسہ بچتا ہے وہی اس سال کا نمبر ہوتا ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کا سال

وفات 11ھ ہے۔اس کو آٹھ پر تقسیم کرنے سے تین بچتا ہے تو معلوم ہوا کہ رسول مقبول ﷺ کا سال وفات تین نمبر کا ہے اور اس کے لئے حرف ض مقرر ہے۔

سال معلوم ہونے کے بعد حرف سال کی طاقت اور اس مہینے کے حرف کی طاقت آپس میں جمع کی جاتی ہیں جس مہینے کا دن اور تاریخ متعین کرنا مقصود ہو۔ پھر اسی مجموعے کو سات پر تقسیم کیا جاتا ہے جو بچ جائے تو اس عدد کے برابر جس دن کا نمبر ہو گا وہی دن اس مہینے کا پہلا دن یعنی طلوع چاند والا دن ہو گا۔دنوں کے نمبر عرب ممالک کے لیے اتوار تا جمعہ بالترتیب ایک تا چھ ہیں اور ہفتے کا دن صفر (0) نمبر پر ہے۔اتوار 1، سوموار 2، منگل 3، بدھ 4، جمعرات 5، جمعہ 6، ہفتہ 0۔اگر 2 بچ گیا تو سوموار کا دن ہو گا، 5 بچ گیا تو جمعرات کا دن ہو گا، صفر بچ گیا تو ہفتے کا دن متعین ہو گا وغیرہ وغیرہ۔

آپ ﷺ کی تاریخِ وصال

اب آقائے نامدار ﷺ کا سالِ ارتحال 11ھ ہے جس کا نمبر 3 ہے جیسا کہ اوپر مثال سے واضح ہو گیا ہے۔ تین نمبر سال کا حرف ''ج'' ہے جس کی طاقت بھی تین ہے اور ماہ ربیع الاوّل کا حرف بھی ''ج'' ہے۔ دونوں کا مجموعہ 6 ہے جس کو سات پر تقسیم کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی بلکہ 6 نمبر والا دن ''جمعہ'' متعین ہوا۔ اب ایک نکتہ جو پہلے میں نے بیان کیا ہے کہ بسا اوقات ایک دن آگے پیچھے ہو سکتا ہے یہاں بھی اس امکان کے تحت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ربیع الاوّل سے پہلے دو مہینے شاید انیتس، انیتس کے آئے ہوں تو پھر ربیع الاوّل بجائے جمعہ کے جمعرات سے شروع ہو گیا ہو گا اور مہینہ کے دوسرے سوموار کو ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ ہو گی۔

یہ احتمال میں نے اس لیے پیش کیا ہے کہ اگر حسبِ حساب ماہ ربیع الاوّل کا غرہ (پہلی تاریخ) جمعہ ہی تسلیم کیا جائے تو پھر سوموار ثانی کو گیارہ تاریخ ہو گی حالانکہ گیارہ کا قول کسی کتاب میں بھی نہیں بلکہ دو، آٹھ، نو اور بارہ کی تاریخوں کے اقوال ہیں اور اگر ماہ صفر کو تیس دنوں کا شمار کریں تو پھر غرہ (شروع) ربیع الاوّل ہفتہ ہو گا، اس حساب سے دوسرے سوموار کو دس تاریخ آئے گی اور دس ربیع الاوّل کا قول بھی کسی سے مروی نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ 11ھ کو ماہ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ جمعرات کو تھی اور اس ماہ کے سوموار ثانی کو ربیع الاول کی 12 تاریخ تھی جس وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

واللہ اعلم و علمہ اتم۔

آپ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے متعلق تحقیق

اب رہا مسئلہ ولادت باسعادت کا تو عرض ہے کہ اس وقت قمری مہینے ضرور موجود تھے لیکن قمری سال کی موجودہ ترتیب نہیں تھی، اس لیے ہم ولادت اور وفات کے درمیان والے سالوں کو جمع کر کے آٹھ پر تقسیم کریں گے، اگر تقسیم برابر سرابر ہوئی تو سمجھو کہ سال ولادت اور وفات کا ایک ہی نمبر ہے، جو کہ تین ہے۔ اسی طرح تاریخ ولادت اور تاریخ وفات بھی آپس میں موافق یعنی بارہ ربیع الاوّل ہے اور اگر تقسیم میں کوئی ہندسہ بچتا ہے تو پھر سال ولادت مبارک کا نمبر مختلف اور تاریخیں بھی مختلف ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ سرورِ کائنات ﷺ کی مکی عمرِ مبارک ترپن سال ہے اور مدنی عمر دس سال ہے۔ چونکہ سنہ ہجری کی ابتداء یکم محرم مطابق 18 جولائی 622ء سے ہوئی ہے اور ہجرت کی ابتداء ربیع الاوّل بمطابق ستمبر 622ء سے ہوئی ہے۔ بنابریں ربیع الاوّل 11ھ آپ ﷺ کی مدنی عمر کا دسواں سال ہے لیکن سنہ ہجری کا یہ گیارہواں سال ہے۔ لہٰذا اس تقسیمی حساب کے لیے مکی عمر 53 سال میں 11 کا ہندسہ جمع کیا جائے گا جس کا مجموعہ چونسٹھ (64) بنتا ہے۔ پس 64 ÷ 8=8 چونکہ تقسیم برابر سرابر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تاجدارِ مدنیہ ﷺ کی ولادت والے سال اور وفات والے سال کا ایک ہی نمبر ہے۔ دونوں کے طلوعِ چاند والے دن بھی آپس میں متفق ہیں۔ بنابریں جن روایات میں ولادت اور وفات 12 ربیع الاوّل کو بتائی گئی ہے وہ درست ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاوّل بمطابق 20 اپریل 571ء بروز پیر ہوئی اور وفات 12 ربیع الاوّل 11ھ بمطابق 8 جون 632ء کو ہوئی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک بحساب قمری ٹھیک تریسٹھ (63) سال اور بحساب شمسی اکسٹھ (61)

سال ایک مہینہ اور 18 دن ہے۔اس دارِفانی میں **محبوبِ سبحانی ﷺ نے کل 22328 دن اور 6 گھنٹے گزارے ہیں۔**

ہجرت سے تقریباً 13 سال پہلے آنجناب ﷺ کے سر مبارک پر نبوت کا تاج رکھا گیا۔ اب 13 + 11 = 24 یعنی وفات سے تقریباً 24 سال پہلے آپ ﷺ کو نبوت ملی تھی۔ 24 ÷ 8 = 3 یہ تقسیم بھی سر بسر ہوئی، لہٰذا معلوم ہوا کہ سالِ نبوت بھی سالِ ولادت اور وفات کی طرح تین نمبر کا ہے۔اس سال بھی ماہ ربیع الاوّل کا غرہ (پہلی تاریخ) جمعرات کو اور بروز سوموار ربیع الاوّل کی 12 تاریخ ہوگی، جس وقت آنحضرت ﷺ خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے۔ علمائے محققین کے نزدیک 2 یا 8 کی بجائے 12 والا قول زیادہ مشہور ہے۔ شمسی حساب سے یہ تاریخ 16 فروری 610ء بنتی ہے۔

چونکہ ہجرت ہی سے سنہ ہجری کی ابتداء ہوئی ہے اس لیے ہجرت کا سال ایک نمبر ہے۔اس کے لیے حرف ''الف'' مخصوص ہے۔ماہ ربیع الاوّل کا حرف ج ہے۔الف اور ج کی طاقتوں کا مجموعہ چار بنتا ہے اور چار نمبر بدھ کا ہے، لہٰذا اس سال ربیع الاوّل کا چاند بدھ سے طلوع ہوتا بشرطیکہ ماہ صفر 29 دنوں کا ہوتا، لیکن صفر جب پورے تیس دنوں پر مکمل ہوا تو ربیع الاوّل کی ابتداء جمعرات سے ہوئی.

جیسا کہ علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

''آنحضرت ﷺ خمیس کی رات کو جو ربیع الاوّل کی چاند رات تھی مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر غارِ ثور کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں تین راتیں قیام فرمایا یعنی شب جمعہ، شب ہفتہ، شب اتوار اور پیر کی رات کو جو ربیع الاوّل کی پانچویں رات تھی غار سے نکل کر مدینہ کا راستہ لیا یہاں تک کہ 12 ربیع الاوّل بروز پیر چاشت کے وقت (قبا) مدینہ طیبہ میں رونق

افروز ہوئے........... گیارہ راتیں وہاں (قبا میں) قیام رہا اور 23ربیع الاوّل بروز جمعہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔"[1]

شمسی حساب کے اعتبار سے 20 ستمبر 622ء کو غارِ ثور سے سوئے مدینہ منورہ روانگی ہوئی اور 27 ستمبر کو آنجناب ﷺ قبا (مدینہ منورہ) میں جلوہ افروز ہو گئے۔

مندرجہ بالا تحقیق و تدقیق اور اقتباس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہجرت ٹھیک 12ربیع الاوّل بروز سوموار اختتام پذیر ہو گئی یعنی آپ ﷺ اپنی منزل مقصود مدینہ منورہ تک پہنچ گئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ولادت، بعثت، ہجرت اور وفات چاروں امور بروز پیر 12 ربیع الاوّل کو وجود پذیر ہو گئے ہیں۔ یہ اتحاد و اتفاق کسی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس دن، تاریخ اور مہینے کا سردارِ دوجہاں ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

[1]-عہد نبوت کے ماہ و سال، صفحہ نمبر 122

قیامِ نبوی بعالمِ دنیوی

یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مطہرہ کے ماہ و سال:

سال	مہینے	ہفتے	دن	گھنٹے
63	756	3189	22328.25	535878

نقشہ طیبہ

باب دوم:

اَحْسَنُ الْمَقَالُ فِی رُؤْیَۃِ الْھِلَالُ

(رؤیت ہلال اور اس کے متعلق اہم مباحث)

مملکتِ اسلامیہ پاکستان میں ہر سال عیدین اور روزے سیاست اور قومیت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں حالانکہ یہ خالص مذہبی معاملہ ہے۔ اس میں زبان اور قومیت کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے متعلق تمام مسائل بالتفصیل کتب دینیہ میں مرقوم ومذکور ہیں۔ اگر صحیح طور پر ان مسائل کو پڑھا اور سمجھا جائے تو پھر ان شاءاللہ العزیز ہر نوع کے اختلاف کا قلع قَمع ہو جائے گا۔ میں یہاں علم فلکیات کی روشنی میں کچھ تحریر کرنا چاہتا ہوں شاید کہ اس سے شکوک وشبہات کے سیاہ بادل چھٹ جائیں۔ خصوصاً رؤیت ہلال کمیٹی اور علماء کرام پر طعن و تشنیع کرنے اور بے جا الزامات لگانے کا سلسلہ رکنا چاہیے۔

چاند زمین کا سیارچہ ہے اس کا مدار بیضوی اور تین سو ساٹھ درجوں پر منقسم ہے چاند زمین کے گرد اپنے مدار پر تیرہ (13) درجے چوبیس (24) گھنٹوں میں طے کرتا ہے اور یوں تقریباً 27 دن 7 گھنٹے 34 منٹ میں ایک چکر مکمل ہو کر مہینہ پورا ہونا تھا لیکن چونکہ زمین بھی اپنے مدار پر متحرک ہے، اس لیے تقریباً ڈھائی دنوں کا مزید عرصہ لگ جاتا ہے، جس کی بدولت قمری مہینہ انیتس (29) یا تیس (30) دنوں کا بن جاتا ہے۔ کل بارہ مہینوں میں سے چھ (6) انیتس (29) اور چھ (6) تیس (30) کے آتے ہیں۔

قمری مہینہ 29.530588 دن

قمری سال 354.36705 دن

شمسی مہینہ 30.43685 دن

شمسی سال 365.24223 دن

حساب ابجدی میں جو تقویم تیار کی گئی ہے اس میں ایک مہینہ تیس (30) کا اور دوسرا انیتس (29) کا گنا جاتا ہے لیکن فطری تقسیم میں کبھی دو مہینے مسلسل تیس (30) یا انیتس (29) کے آجاتے ہیں، بلکہ ماہر فلکیات جدیدہ وقدیمہ **علامہ محمد موسیٰ خان صاحب** رحمتہ اللہ علیہ کے بقول تین تین مہینوں کا لگاتار ایک طرح آنے کا امکان بھی ہے۔ قمری سال تین سو چون 354 دن اور 8 گھنٹے بنتا ہے جو کہ شمسی سال سے دس (10) دن 21 گھنٹے اور انچاس (49) منٹ چھوٹا ہے۔ بایں سبب ہر سال رمضان گیارہ (11) کبھی دس (10) دن پہلے آتا ہے۔ اس حساب سے ایک صدی میں تین سال کا فرق پڑتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کی عمر شمسی حساب میں ایک سو سال ہے تو قمری حساب میں اس کی عمر ٹھیک ایک سو تین (103) برس ہو گی۔

چاند کی مختلف حالتیں:

مہینہ کی آخری تاریخوں اٹھائیس (28) اور انیتس (29) کو چاند و سورج ایک ساتھ طلوع و غروب ہوتے ہیں جس کو حالتِ ''اجتماع و محاق'' کہتے ہیں۔ ان تاریخوں میں چاند زمین پر کہیں بھی نظر نہیں آسکتا۔ چاند جب سورج کی سمت میں بالکل صفر درجے پر آجاتا ہے تو یہاں سے نئے چاند کی تخلیق ہو جاتی ہے۔ چاند تدریجاً مشرق کی طرف سورج سے پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔ تاآنکہ جب دس (10)، گیارہ (11) درجے پیچھے ہٹ جاتا ہے تو بقول صحیح یہ مغربی اُفق پر شام کو نظر آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو ''ہلال'' کہا جاتا ہے۔ ہلال کے دونوں نوک ہمیشہ سورج کی مخالف سمت پر ہوتے ہیں۔ چاند کچھ کم دو گھنٹوں میں ایک درجہ سورج سے دور ہوتا رہتا ہے۔ اس حساب سے چوبیس (24) گھنٹوں میں چاند تیرہ (13) درجے سورج سے پیچھے ہٹ جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ نئے چاند کی عمر کم از کم بیس (20) بائیس (22) گھنٹے ہو گی۔ چاند بحساب تیرہ (13) درجے روزانہ سورج سے مشرق کی طرف ہٹتا رہتا ہے حتیٰ کہ

ساتویں رات سورج سے نوے (90) درجے فاصلے پر ہوتا ہے۔ اس کو ''حالتِ تربیع'' کہتے ہیں۔ پھر چودھویں رات کو بالکل سورج کے بالمقابل ایک سو اسی (180) درجے پر آجاتا ہے۔ یعنی مغربی اُفق پر سورج غروب ہو گا تو مشرقی افق پر چاند طلوع ہو رہا ہو گا۔ اس کو ''حالتِ استقبال'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند پھر اسی رفتار سے سورج کی طرف قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اکیس (21) کو حالتِ تربیع اور اٹھائیس (28) کو ''حالتِ اجتماع'' پر پہنچ جاتا ہے۔ دو دن تقریباً غائب رہنے کے بعد پھر ہلال کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

زمین چاند کے مدار میں سے ہر ایک درجے کو چار (4) منٹ میں طے کرتی ہے۔ شب و روز میں چاند کے طے شدہ تیرہ (13) درجے باون (52) منٹ میں طے ہوں گے، لہٰذا چاند ہر رات تقریباً کم و بیش باون (52) منٹ تاخیر سے طلوع ہوتا ہے۔ مثلاً آج اگر چاند آٹھ بجے طلوع ہو گیا تو کل آٹھ بج کر باون منٹ پر طلوع ہو گا۔ موسمی اختلاف کی بدولت ان اوقات میں بھی معمولی کمی بیشی ممکن ہے۔

(دیکھئے کتاب ''کتاب قصة السمٰوت، کتاب القمر والانسان ''۔)

یہ بات مسلّم ہے کہ چاند ستائیس تاریخ کو صبح نمازِ فجر کے وقت نظر آتا ہے لیکن اٹھائیس (28) اور انتیس (29) تاریخوں میں زمین پر کہیں بھی نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ ان تاریخوں میں یہ سورج کے قریب اس سمت میں واقع ہوتا ہے جس کو '' محاق'' کہتے ہیں۔ اس حالت میں چاند کا سطحِ زمین سے نظر آنا محال ہے۔

یہاں رویئت ہلال کی الجھن رفع کرنے کے لیے ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔ جس سے معلوم ہو گا کہ چاند (ھلال) کا مسئلہ کس قدر اہم ہے اور اس کا اثر ہماری عبادات پر کس قدر ہے۔ اس لیے اس کی گواہی دینے میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔

مثلاً 1421ھ ستائیس (27) رمضان (بحساب رؤیت ہلال کمیٹی) بروز اتوار 24 دسمبر 2000ء کو صبح سویرے ہزاروں لوگوں نے چاند دیکھا جو تقریباً ایک گھنٹہ پچیس منٹ

سورج سے پہلے طلوع ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ برائے رمضان صحیح تھا اور اٹھائیس (28) نومبر منگل کو پہلا روزہ تھا۔ ہمارے مردان چارسدہ وغیرہ کے چند احباب نے ستائیس (27) نومبر سوموار کو جو روزہ رکھا اس حساب سے چوبیس (24) دسمبر کو اٹھائیسواں (28) روزہ بنتا تھا اور بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ چاند، اٹھائیس (28) کو نظر آ نہیں سکتا۔ حالانکہ اس دن پورے پاکستان میں دیکھا گیا تھا میں نے بذاتِ خود آلائی کے بلند و بالا فلک بوس پہاڑوں کے عقب سے طلوع ہوتے دیکھا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ خیبر پختون خواہ میں جن لوگوں نے اتوار کی شام شب سوموار کو جو گواہی دی تھی وہ خلافِ واقع تھی۔

عمومی مغالطہ:

عید الفطر کا مسئلہ کچھ یوں ہے کہ ستائیں (27) رمضان چوبیس (24) دسمبر کو صبح چاند جب سورج سے ایک گھنٹہ پچیس منٹ پہلے طلوع ہوا تو اگلے روز پچیس کو سورج سے تینتیس (33) منٹ پہلے طلوع ہو گیا ہو گا۔ چھبیس (26) دسمبر انیتس (29) رمضان کو صبح کے وقت سورج سے انیس منٹ بعد طلوع ہو گیا ہو گا اور شام کو سورج سے تقریباً انتالیس (39) منٹ پیچھے غروب ہو گیا ہو گا جو کہ نظر نہیں آ سکتا کیونکہ رؤیت ہلال کے لیے ضروری ہے کہ چاند کم از کم 45 منٹ سورج سے پیچھے رہے۔ ہاں البتہ سعودی عرب وغیرہ مغربی ممالک میں اس کا قوی امکان تھا کہ نظر آ جائے کیونکہ وہاں سورج پاکستان کی نسبت دو گھنٹے تاخیر سے غروب ہو جاتا ہے، اس دوران چاند سورج سے مزید ایک درجہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وہاں کا عرض بلد بھی کافی کم ہے جس کی بدولت رؤیت ہلال کے امکانات اور بھی زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودیہ میں سال بہ سال عید ہم سے ایک دن پہلے منائی جاتی ہے۔ اگلے دن ستائیس (27) دسمبر تیس (30) رمضان بروز بدھ شام کو چاند سورج سے اکانوے (91) منٹ پیچھے کافی اونچا تھا کیونکہ گزشتہ شام چاند 39 منٹ سورج سے پیچھے تھا اگلے دن 52 منٹ اور پیچھے چلا گیا تو کل 39+52=91 منٹ بن گئے اس کو دیکھ کر بعض

حضرات کو مغالطہ لگ گیا ہوگا کہ یہ دوسری کا چاند ہے حالانکہ وہ پہلی کا چاند تھا۔ چونکہ یہ برج میں اتنا اونچا آیا تھا کہ دوسری کے چاند اور اس میں صرف ایک درجے کا فرق رہ گیا تھا۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ 29 کی شام کو نظر آنے والا چاند عموماً چھوٹا اور 30 کی شام کو آنے والا بڑا ہوتا ہے کیونکہ 30 تاریخ کو چاند 13 درجے (52منٹ) مزید سورج سے پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔ لہٰذا اٹھائیس(28) دسمبر جمعرات کو عیدالفطر منانا درست فیصلہ تھا۔

واللہ اعلم و علمہ اتم۔

رؤیت ہلال کے متعلق شرعی نقطہ نظر

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا[1]

(اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا)

یہ آیت ایک ایسا قاعدہ ہے کہ جس کے تحت شریعت مطہرہ نے ہر مسئلے میں گنجائش اور سہولت رکھی ہے چاہے وہ مسئلہ عبادات میں سے ہو یا معاملات میں سے ہو۔ شرعی قواعد وضوابط کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو بس یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت کا منشاء امت کے لئے آسانی ہی آسانی ہے۔ تکلیف مالا یطاق (کسی کو ایسی بات پر عمل کا حکم کرنا جو اس کے بس میں نہ ہو۔) کی شریعت کہیں بھی قائل نہیں ہے۔

من جملہ ان مسائل میں سے مسئلہ رؤیت ہلال بھی ہے جس کے ثبوت پر روزہ، عید اور حج وغیرہ کے احکام موقوف ہیں اسکے ثبوت کے لئے شریعت نے آسان ترین طریقہ اپنایا ہوا ہے جو کہ عالم، جاہل، چھوٹے بڑے، شہری دیہاتی عوام اور خواص سب کیلئے برابر ہے۔

مذہب اسلام میں چونکہ اتحاد واتفاق یکسانیت اور اجتماعیت مطلوب ومقصود ہے یعنی حتی الامکان عبادات اسلامیہ میں وحدت المسلمین کا نظارہ پیش ہو اس لئے حکومت اسلامی اور محکمہ قضا کی ایک مستقل شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ شہادتِ رؤیت کے بعد ہی طلوع ہلال کا اعلان کریں تاکہ کسی کیلئے اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ اور متفقہ طور پر مسلمان عیدین کی خوشی اور روزہ کی سعادت سے مستفید ہو جائیں۔ اسلام کے اس منشا کے تحت رؤیت ہلال کے لئے چند ضوابط اور اصول مقرر شدہ ہیں۔

---

[1]-البقرۃ:2، آیت 286

رؤیۃ ہلال کے اہم قواعد:

(1۔ موسم اگر ابرآلود نہ ہو بلکہ صاف وشفاف ہو تو رمضان المبارک اور عید ہر دو مواقع پر فقہاء کرام خبر مشہور کو لازم قرار دیتے ہیں۔ خبر مشہور سے مراد یہ ہے کہ ایک جم غفیر چاند دیکھنے کی خبر دے جن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عادۃً محال ہو۔

(2۔ مطلع اگر ابرآلود ہو تو رمضان المبارک کے چاند کے لئے ایک معتبر صالح شخص کی خبر کافی ہے جس نے بچشم خود چاند دیکھا ہے۔امیر اور حاکم اگر موجود نہیں تو مسجد یا مجمع عام میں تمام مسلمانوں کے سامنے یہ خبر دی جاسکتی ہے اور اپنے طور پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز گواہ کا عادل متشرع ہونے کی حیثیت سے معروف ومشہور ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ مستور الحال شخص کی خبر کو بھی فقہاء کرام نے کافی قرار دیا ہے۔

(3۔ خراب موسم کے موقع پر عید الفطر کیلئے دو معتبر آدمیوں کی شہادت ضروری ہے لیکن اس صورت میں گواہوں کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مدار قاضی اور رؤیۃ ہلال کمیٹی کے اطمینان ہی پر ہے جیسا کہ علامہ طرابلسیؒ نے امام قرافیؒ سے نقل کیا ہے" وَاِذَاْ غَلَبَ عَلٰی الظَّنِّ صِدْقُ الْفَاسِقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُه وَ حُكِمَ بِهَا[1] "

(اور جب ظن غالب ہو جائے تو فاسق کی تصدیق کی جائے گی،اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس پر فیصلہ کیا جائیگا)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موسم صاف ہونے کی صورت میں شوال اور رمضان دونوں کے چاند میں خبر مشہور مطلوب ہے اور موسم اگر ابرآلود ہے لیکن مسئلہ رمضان کے ہلال کا ہے تو اس صورت میں بھی خبر مطلوب ہے بخلاف عیدین کے چاند کے کہ اس صورت میں گواہی

---

[1] الفتاوى الهندية، لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي،ج1،ص101،الناشر: دار الفكر،الطبعة: الثانية، 1310ھ

مطلوب ہے۔اس فرق کو علامہ شامیؒ نے بہترین انداز میں واضح کیا ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ عید کے چاند سے لوگوں کا نفع متعلق ہے اس لئے وہ معاملات کے درجہ میں ہے۔

وَ شُرِطَ لِهِلَالِ الْفِطْرِ مَعَ عِلَّةٍ فِي السَّمآءِ شُرُوْطُ الشَّهَادَةِ لِاَنَّهٗ تَعَلَّقَ به نَفْعُ العِبَادِ وَهُوَ الْفِطْرُ فَاَشْبَهَ سَائِرَ حُقُوْقِهِمْ فَاشْتُرِطَ لَهٗ مَا اشْتُرِطَ لَهَا مِنَ الْعَدَدِ وَالْعَدالةِ وَالْحُرِيَّةِ وَ عَدَمِ الْحَدِّ فِي قَذَفٍ وَاِنْ تَاَبَ وَلَفْظُ الشَّهَادَةِ وَالدَّعْوٰى عَلى خِلَافٍ فِيْهِ[1]"

آسمان کے ابر آلود ہونے کی صورت میں عید کے چاند کیلئے گواہی کی شرائط مطلوب ہیں۔اس لئے کہ اس سے انسانوں کا نفع یعنی افطار متعلق ہے۔لہذا یہ بندوں کے دیگر حقوق سے مشابہ ہوا پس اس کے لئے بھی تعداد،عدالت،آزادی،اور محدود فی القذف نہ ہونیکی وہی شرائط ہونگی جو دوسرے حقوق کو ثابت کرنے کے لئے ہیں ہاں گواہی کا لفظ اور دعویٰ بھی لازمی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔"

مندرجہ بالا قواعد وضوابط بیان کرنے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اس مسئلہ میں خط،فون،ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ اطلاع دینے کا کیا حکم ہے اسکی حقیقت وماہیت کیا ہے؟

تحریری اطلاع:

پرنٹ شدہ خبر میں دو امور بہت ہی اہم ہیں۔ایک یہ کہ دو تحریروں میں مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے اور فنی ماہرین آسانی کے ساتھ دوسروں کے خطوط نقل کر لیتے ہیں علماء کرام اسی کو اپنی اصطلاح میں الخط یشبہ الخط سے تعبیر کرتے ہیں اور صرف خط کو کسی معاملہ

---

[1]۔تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان۔ص234

کے ثبوت کے لئے کافی نہیں سمجھتے ہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ انسانی حیات میں ایسے حالات بہت زیادہ آتے ہیں کہ کسی اہم مسئلہ کی اطلاع کے لئے خود حاضر نہیں ہو سکتا بلکہ کسی پیامبر (قاصد) کے وسیلے سے پیغام رسانی کا سہارا لیتا ہے اور بے شمار کاروباری معاملات ایسے ہی طے پاتے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر شریعت محمدی میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کسی متنازعہ امر کو ثابت کرنے کے لئے صرف تحریر پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کیساتھ گواہی بھی ضروری ہے۔ تحریر کو بھی یکسر غیر مؤثر نہیں قرار دیا بلکہ خود قرآن میں حکم موجود ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ

اے جب تم دَین اور قرض والا معاملہ کرتے ہو تو لکھ لو (البقرہ ایت 282)

صاف ظاہر ہے کہ تحریر کی تلقین اس بات کا ثبوت ہے کہ لکھنا قابل اعتبار بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی میں بھی کئی ایسے مواقع موجود ہیں کہ جہاں نبی اکرم ﷺ نے تحریر سے کام لیا ہے۔ کئی بادشاہوں کو خطوط لکھے ہیں، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو زکوۃ کے احکام پر مشتمل تحریر دیکر روانہ فرمایا اگر تحریر قابل اعتبار چیز نہ ہوتی تو اسلامی دعوت اور احکام شرع کی تعلیم جیسے اہم مسائل میں آپ ﷺ محض اس پر کیوں کر تکیہ کرتے؟ لہذا بات اب ظاہر و باہر ہے کہ تحریر کا اعتبار اسوقت ضرور ہے جب دوسرے قرائن سے اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ یہ تحریر واقعۃً اس شخص معہود کی ہے جسکی طرف یہ منسوب ہے۔ بادشاہوں کے نام خطوط پر آپ ﷺ کی مہر ثبت تھی۔

چنانچہ فقہا کرام نے ہر مدلل خط کا اعتبار کیا ہے اور فقہ کا مشہور کلیہ ہے کہ ایک قاضی کو دوسرے قاضی کے پاس اپنی تحریر بھیجنی ہو تو وہ اس کو مہر بند کرکے اور سنا کر دو

اشخاص کے حوالے کردے یہ دو آدمی دوسرے قاضی کے پاس پہنچ کر اس تحریر کے قاضی کی جانب سے ہونے کی شہادت دیں اب تحریر کا اعتبار ہو گا۔[1]

دکانداروں کے کھاتوں پر بھی اعتماد کیا گیا ہے۔

"وَأَمَّا خَطُّ الْبَيَّاعِ وَالصَّرَّافِ وَالسِّمْسَارِ فَهُوَ حُجَّةٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُصَدَّرًا مُعَنْوَنًا يُعْرَفُ ظَاهِرًا بَيْنَ النَّاسِ وَكَذَا مَا يَكْتُبُ النَّاسُ فِيمَا بَيْنَهُمْ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ حُجَّةً لِلْعُرْفِ،،[2]

(ترجمہ:-رہے تاجر صراف اور دلال تو ان کی تحریر سند ہے اگرچہ اس پر عنوان درج نہ ہو اور نہ تحریر ایسی باتوں پر مشتمل ہو جو عام طور پر لوگوں کے درمیان مروج ہیں اسی طرح وہ تحریریں جو لوگ آپس میں لکھتے ہیں ضروری ہے کہ عرف کے مطابق ان کو بھی حجۃ تسلیم کیا جائے۔)

یہ معاملہ تو حقوق العباد کا ہوا رؤیت ہلال جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس میں تحریر کا اعتبار ہونا بدرجہ اَولیٰ مناسب ہے۔ البتہ بیرونی قرائن سے اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ تحریر شخص مذکور ہی کی ہے۔ مثلاً نامہ بر (قاصد) قابل اعتماد ہو دستخط کی پوری طرح شناخت ہو اس پر مہر وغیرہ ثبت ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحریر شہادت اور گواہی کی بجائے صرف خبر کا کام دے سکتی ہے۔ چاند کے معاملہ میں دو موقعوں پر خبر کا اعتبار ہے:

ایک تو مطلع ابر آلود ہو اور مسئلہ رمضان کے چاند کا ہو اس موقع پر ایک معتبر آدمی کی خبر کافی ہوتی ہے لہذا ایک معتبر آدمی کی تحریر کفایت کر جائے گی۔

---

[1]۔ مختصر القدوری ص 255

[2]-شامی ،ابن عابدین،ردمختار ج8، ص 136 ایچ ایم سعید

دوم جب مطلع صاف ہو تو خبر مشہور کی ضرورت پڑتی ہے یہ بھی چونکہ خبر ہی ہے اس لئے اس معاملہ میں بھی مختلف تحریریں مل کر ''خبر مشہور'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ مثلاً کسی شہر سے دس پندرہ بیس خطوط آئے کہ یہاں اس شہر میں چاند دیکھ کر روزہ رکھا جا رہا ہے تو بغیر کسی شک و شبہ کے ان خطوط و اطلاعات کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا عبد الحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں۔

"واقعی در رؤیت ہلال شہرت اخبار معتبر است اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بہ شب گزشتہ در آنجا رؤیت ہلال شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شد، تاوقتیکہ شہرت آں نشود از تحریرات کثیر، و اخبار عدید، معلوم نشود اعتبار آں نباید ساخت" [1]

ترجمہ = واقعی طور پر رؤیت ہلال میں خبروں کا مشہور ہونا معتبر ہے اگر کسی شہر سے خبر پہنچے کہ گزشتہ شب وہاں چاند دیکھا گیا یا تار کی وساطت سے اس امر کی اطلاع ملی تو جب تک بہت سی تحریروں اور متعدد خبروں سے اس کی اطلاع نہ ہو جائے اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

علاوہ ازیں اگر کوئی قاضی، امیر، رؤیت ہلال کمیٹی یا ان کی طرف سے مقرر کردہ مجاز افراد اپنے یہاں شہادت لے لیں اور پھر اسکی اطلاع قاضی اور حاکم کو کریں تو اس کا بھی اعتبار ہو گا کیونکہ یہ شہادت نہیں ہے لیکن شہادت سے ثابت شدہ امر کی خبر ہے۔

البتہ تحریر کے ذریعے شہادت معتبر نہیں ہے اس لئے کہ گواہ کا قاضی کے روبرو حاضر ہونا ضروری ہے لہذا اگر مطلع صاف نہ ہو اور عید کے چاند کا مسئلہ درپیش ہو تو چونکہ یہاں

[1]- مجموعہ فتاویٰ، ج 1، ص 264

دو آدمیوں کی گواہی مطلوب ہے اور گواہی کیلئے خط کافی نہیں ہے اس لئے اب صرف تحریر پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ کسی ذمہ دار کے سامنے حاضر ہو کر شہادت دے اور وہ ذمہ دار شخص رؤیت ہلال کمیٹی یا کسی حاکم کو اس کی تحریری اطلاع دے دیں۔

بذریعہ ٹیلیفون اطلاع:

جس طرح دو تحریروں میں مشابہت و مماثلت کا اندیشہ ہے یہی معاملہ سو فیصد انسانی آوازوں میں بھی پایا جاتا ہے اکثر انسان دو آوازوں کا فرق محسوس نہیں کر سکتے۔ لیکن جیسا کہ قرائن اور دوسرے خارجی اسباب کے ذریعہ تحریر کے بارے میں صحیح ہونے کا گمان غالب حاصل ہو جائے گا۔ یہی حال ٹیلیفونی پیغام کا بھی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو پہلے سے اطلاع دینے کے لئے مقرر کر رکھا ہو پھر وقت مقررہ پر وہ آپ کو فون کر دے یا آپ اسی فون نمبر پر اس سے رابطہ قائم کریں۔ نیز آپ ایک گونہ اس آواز سے آشنا بھی ہیں تو بڑی حد تک آپ کو اس بات سے اطمینان حاصل ہو جائے گا اور گمان غالب کے طور پر کہیں گے کہ یہ اسی شخص کی آواز ہے چنانچہ بڑے بڑے دنیاوی معاملات میں ایسے ہی قرائن ودلائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔

لہذا ان مواقع پر جن کا تعلق خبر سے ہے ان میں ٹیلی فون کا بھی اعتبار ہے لیکن جہاں شہادت اور گواہی مطلوب ہو وہاں محض فون کافی نہیں بالمشافہ حاضری ضروری ہے۔ ایسے مواقع پر یہ تدبیر کرنی چاہئے کہ دار القضاء یا رؤیت ہلال والے گواہی لے لیں اور پھر فون کے ذریعے مرکز کو اسکی اطلاع کر دیں۔

ریڈیو، ٹی وی کی خبر:

ان دونوں ذریعوں سے جو اطلاع آئے گی وہ محض خبر واعلان کے درجہ میں ہو گی شہادت نہیں ہو گی۔ اگر کسی رؤیت ہلال کمیٹی یا حاکم کی طرف سے منسوب ہے تو اس ملک و علاقہ کے لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہو گا اس لئے کہ یہ محض اطلاع نہیں ہے بلکہ

ایک فیصلے کا اعلان ہے اور اعلان سلطان (یعنی سرکاری اعلان) ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ

" خبرُ مُنادِیُّ السُلطَانِ مَقبُوْلٌ عَادِلًا کَانَ اَوْ فَاْسِقًا.[1] "

ترجمہ۔ بادشاہ کے منادی کی خبر مقبول ہے چاہے وہ عادل ہو یا فاسق "

البتہ دیگر ممالک کے لئے یہ صرف اطلاع ہوگی اعلان نہ ہوگا وہاں کے حکمرانوں پر موقوف ہوگا کہ وہ اسکی روشنی میں فیصلہ کریں یا نہ کریں۔ یہ تو ان خبروں کی بات ہے جو شرعی ذمہ داروں کی طرف منسوب ہیں جو خبریں مبہم ہوں مثلاً فلاں مقام پر چاند دیکھا گیا ہے اسکی اہمیت نہیں ہے۔

چاند دیکھنے کے لئے جہاز اور دوربین کا استعمال:

قواعد فقہاء سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطلع ابر آلود نہ ہو تب تو یقینی خبر مقصود ہے اس لئے ایسی حالت میں ہوائی جہاز سے اڑ کر یا دوربین کے ذریعہ رؤیت کا اعتبار نہ کیا جائے گا کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آنا چاند کے طلوع ہونے کو مشتبہ کر دیتا ہے اور نہ ایسی شہادتیں معتبر ہیں اگر بلندی کا اعتبار ہوتا تو حجاز میں پہاڑوں کا لاتعداد سلسلہ ہے، علامہ ابن تیمیہ نے ایک جگہ لکھا ہے "قد قیل ان بمكة جبالا عديدة" (کہا گیا ہے کہ مکہ میں کئی پہاڑ ہیں) لیکن عہد رسالت وعہد صحابہ میں ایک بھی ثبوت نہیں ملتا کہ بلندی پر چڑھ کر چاند دیکھا گیا ہو اس لیے بلندی کی سطح کا کوئی اعتبار نہیں۔ مطلع ابر آلود ہو تو گمان غالب کافی ہے لہذا ایسی صورت میں ہوائی جہاز یا دوربین کے ذریعہ رؤیت ہونی چاہئے بشرطیکہ ہوائی جہاز کی اڑان اتنی اونچی نہ ہو کہ مطلع ہی بدل جائے۔

---

[1]-الفتاوى الهندية، لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، ،دار الفكر،1310 ھ،ج5،ص309

یہ بات پیش نظر رہے کہ جدید آلات کے ذریعہ رؤیت کی حیثیت محض کشف کی ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ایک چیز وجود میں نہ ہو اور اسکی وجہ سے خواہ مخواہ نظر آنے لگے بلکہ وہ ایک موجود چیز کو جس کو ہم دوری یا بصارت کی کمزوری کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے ہمارے لئے قابل دید بنادیتی ہے۔ اسکی نظیر یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص بلند مقامات سے چاند دیکھے جب کہ نیچے سے چاند نظر نہ آرہا ہو تو اسکی اطلاع قابل اعتبار ہوگی۔

فقہی کتابوں میں جہاں اونچی جگہوں پر چڑھ کر چاند دیکھنے کا تذکرہ ہے اس سے مراد وہ اونچائی ہے جو عموماً شہروں میں ہوا کرتی ہے تاکہ مکانوں اور درختوں کی بلندی افق کو دیکھنے میں حائل نہ ہو۔

لہذا ہوائی جہاز سے اس قدر اونچائی پر پہنچ کر اگر چاند دیکھا جائے جس سے مطلع بدل جاتا ہے تو وہ زمین والوں کے لئے معتبر رؤیت قرار نہیں پائے گی۔

رؤیت ہلال کے عمومی طریقے:

قدماء میں عموماً رؤیت ہلال کے یہ چار طریقے رائج رہے ہیں۔

شرعی طور پر رؤیت ہلال کے ثبوت کے لیے درج ذیل چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ضروری ہے:

(1) شهادة على الرؤية (چاند دیکھنے کی گواہی)

(2) شهادة على الشهادة بالرؤية (چاند دیکھنے کی گواہی پر گواہی)

(3) شهادة على القضاء (چاند دیکھنے کے فیصلے پر گواہی)

(4) استفاضة (عام خبر) (جو درحقیقت حکم حاکم میں داخل ہے)۔

شهادة على الرؤية: یہ ہے کہ چاند دیکھنے والا عادل (دیندار) یا مستور الحال (یعنی جس کا فسق ظاہر نہ ہو) مسلمان بذات خود کہے میں نے چاند دیکھا ہے۔

شهادة علی الشهادةبالرؤية: یہ ہے کہ چاند دیکھنے والا شخص بذات خود قاضی، مفتی وغیرہ کے سامنے حاضر نہ ہو، مگر اپنی جانب سے دوسرے دو شخصوں کو گواہ بناکر بھیجے یا دوسرے لوگ اس شخص کی طرف سے گواہ بن کر قاضی، مفتی وغیرہ کی مجلس میں حاضر ہوکر اس بات کی گواہی دیں کہ "ہمارے سامنے فلاں دیندار شخص نے بذاتِ خود اپنا چاند دیکھنا بیان کیاہے اور چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے"۔

شهادة علی القضاء: یہ ہے کہ دو دیندار قابل وثوق مسلمان کسی جگہ کے قاضی ،مفتی وغیرہ کے سامنے گواہی دیں کہ فلاں جگہ کے قاضی یامفتی وغیرہ کے سامنے ہماری موجودگی میں شہادت کے قانون شرعی کے مطابق دو شخصوں کی شہادتیں پیش ہوئیں اوراس قاضی یامفتی وغیرہ نےان شہادتوں کی بنیادپر ہمارے سامنے رؤیت ہلال (چاند نظر آنے) کا حکم اور فیصلہ کیاہے۔اصطلاح فقہ میں اس کو "شهادة علی قضاء القاضی اور شهادة علی حكم الحاكم" بھی کہاجاتاہے۔

مسئلہ: رمضان شریف کے چاند کے سلسلہ میں "شهادة علی الشهادة اور شهادةعلی القضاء" دونوں میں سے ہر ایک میں صرف ایک عادل (دیندار) مسلمان کی گواہی شرعاً معتبر ہے۔دو شخصوں کی گواہی لازم اور ضروری نہیں۔[1]

عید کے چاند اور دیگر احکام میں "شهادة علی الشهادة اورشهادة علی القضاء" دونوں میں سے ہر ایک میں عدالت (دینداری اور عدد دونوں ضروری ہیں (ہر ایک شہادت پر دو مرد یاایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوناضروری ہے)

---

[1]-ابن نجيم:زين الدين بن إبراهيم (المتوفى: 970ھ) البحرالرائق، دار الكتاب الإسلامي،ج2 ص267

حکیم الامۃ،اشرف علی،امداد الفتاوی، مکتبہ دار العلوم کراچی،ج2،ص88

مسئلہ: عید کے چاند و دیگر احکام میں شهادة علی الشهادة اور شهادة علی القضاء'' میں سے ہر ایک میں چار گواہ ہونا لازم اور ضروری نہیں بلکہ اصلی دونوں گواہوں میں سے ہر ایک کی طرف سے یہ دونوں شخص گواہی دے سکتے ہیں۔[1]

استفاضة: یہ ہے کہ قانون شرعی کے مطابق شہادت تو پیش نہیں ہوئی مگر جس جگہ (گاؤں یا شہر میں) چاند نظر آیا ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک جماعت یہ خبر دے کہ ''اس گاؤں یا شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے یا چاند دیکھ کر عید کی ہے''۔

فلکی آلات وحسابات کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نقطہ ہائے نظر

جدید آلات سے استفادہ اور تائید کا مسئلہ ہر دور میں کسی نہ کسی درجے میں رہا ہے۔ متقدمین کی سادہ زندگی میں اس کی نوبت کم کم آتی تھی لیکن پھر زمانے کی ترقی اور فلکیاتی علوم میں جوں جوں تحقیق بڑھتی گئی اس کے ساتھ ہی جدید و ترقی یافتہ فلکیاتی آلات بھی ارزاں ہوتے چلے گئے چنانچہ اس ترقی نے اپنے عہد کے علماء کے لئے ان آلات سے استفادہ ناگزیر کر دیا۔ اس تناظر میں علماء کے دو گروہ سامنے آتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْحِسَابِ هُنَا حِسَابُ النُّجُومِ وَتَسْيِيرِهَا وَلَمْ يَكُونُوا يَعْرِفُونَ مِنْ ذَلِكَ أَيْضًا إِلَّا النَّزْرَ الْيَسِيرَ فَعَلَّقَ الْحُكْمَ بِالصَّوْمِ وَغَيْرِهِ بِالرُّؤْيَةِ لِرَفْعِ الْحَرَجِ عَنْهُمْ فِي مُعَانَاةِ حِسَابِ التَّسْيِيرِ وَاسْتَمَرَّ الْحُكْمُ فِي الصَّوْمِ وَلَوْ حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَنْ يَعْرِفُ ذَلِكَ بَلْ ظَاهِرُ السِّيَاقِ يُشْعِرُ بِنَفْيِ تَعْلِيقِ الْحُكْمِ بِالْحِسَابِ أَصْلًا وَيُوَضِّحُهُ قَوْلُهُ فِي الْحَدِيثِ الْمَاضِي فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ

---

[1] ۔الف: ہدایہ، مرغینانی، ج۳ ص ۱۵۴۔ ب: شامی، ابن عابدینؒ، رد المحتار، ایچ ایم سعید، ج2، ص69

وَلَمْ يَقُلْ فَسَلُوا أَهْلَ الْحِسَابِ وَالْحِكْمَةُ فِيهِ كَوْنُ الْعَدَدِ عِنْدَ الْإِغْمَاءِ يَسْتَوِي فِيهِ الْمُكَلَّفُونَ فَيَرْتَفِعُ الِاخْتِلَافُ وَالنِّزَاعُ عَنْهُمْ وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى الرُّجُوعِ إِلَى أَهْلِ التَّسْيِيرِ فِي ذَلِكَ وَهُمُ الرَّوَافِضُ وَنُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ مُوَافَقَتُهُمْ قَالَ الْبَاجِيُّ وَإِجْمَاعُ السَّلَفِ الصَّالِحِ حُجَّةٌ عَلَيْهِمْ وَقَالَ ابن بَزِيزَةَ وَهُوَ مَذْهَبٌ بَاطِلٌ فَقَدْ نَهَتِ الشَّرِيعَةُ عَنِ الْخَوْضِ فِي عِلْمِ النُّجُومِ لِأَنَّهَا حَدْسٌ وَتَخْمِينٌ لَيْسَ فِيهَا قَطْعٌ وَلَا ظَنٌّ غَالِبٌ مَعَ أَنَّهُ لَوِ ارْتَبَطَ الْأَمْرُ بِهَا لَضَاقَ إِذْ لَا يَعْرِفُهَا إِلَّا الْقَلِيلُ.[1]

(ترجمہ: اور یہاں پر حساب سے مراد ستاروں اور ان کی روانی کا حساب ہے، اور وہ بھی اس کے متعلق بہت کم جانتے تھے پس روزے وغیرہ کا حکم دیکھنے کے ساتھ معلق ہے تاکہ ستاروں کے حساب کی مشقت سے دور رہیں اور روزے میں حکم جاری ہے اگرچہ بعد میں کوئی ایسا آدمی آجائے جو حساب جانتا ہو بلکہ سیاق کا ظاہر اصلاً حساب کے ساتھ حکم کی تعلیق کی نفی بتلا رہا ہے، اور اس کی وضاحت گزری ہوئی حدیث میں آپ ﷺ کے قول سے ہوتی ہے ''اگر فضاء ابر آلود ہو تو تیس کا عدد پورا کرو'' اور یہ نہیں کہا کہ حساب دانوں سے پوچھو، اور اس میں حکمت عدد کا ہونا ابر کی صورت میں اس میں تمام مکلف برابر ہیں پس

---

[1] –ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي،فتح الباري شرح صحيح البخاري، **دار المعرفة - بيروت، 1379، ج4،ص127،**

ان سے اختلاف اور نزاع رفع ہو جائیگا، اور ایک قوم حساب دانوں سے رجوع کی طرف گئی ہے اور وہ روافض ہیں، بعض فقہاء سے ان کی موافقت نقل کی گئی ہے۔ باجی نے کہا ہے کہ سلف کا اجماع ان پر حجت ہے، اور ابن بزیزہ نے کہا ہے کہ یہ باطل مذہب ہے شریعت نے علمِ نجوم میں پڑنے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ یہ صرف اندازے ہیں اس میں کوئی قطعیت یا ظن غالب نہیں، نیز اگر معاملہ اس کے ساتھ معلق کرے تو تنگی ہو گی، کیونکہ اسے تھوڑے لوگ جانتے ہیں۔)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَعْنَى فَاقْدُرُوا لَهُ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَعْنَاهُ ضَيِّقُوا لَهُ وَقَدِّرُوهُ تَحْتَ السَّحَابِ وَمِمَّنْ قَالَ بِهَذَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَغَيْرُهُ مِمَّنْ يُجَوِّزُ صَوْمَ يَوْمِ لَيْلَةِ الْغَيْمِ عَنْ رَمَضَانَ كَمَا سَنَذْكُرُهُ إِنْ شاء الله تعالى وقال بن سُرَيْجٍ وَجَمَاعَةٌ مِنْهُمْ مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وبن قُتَيْبَةَ وَآخَرُونَ مَعْنَاهُ قَدِّرُوهُ بِحِسَابِ الْمَنَازِلِ وَذَهَبَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَجُمْهُورُ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ إِلَى أَنَّ مَعْنَاهُ قَدِّرُوا لَهُ تَمَامَ الْعَدَدِ ثَلَاثِينَ يَوْمًا.[1]

(ترجمہ: اور علماء نے "فاقدروا" کے معنی میں اختلاف کیا ہے پس علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا معنی "ضیقوا له وقدروه تحت السحاب" (یعنی اس کے لیے وقت میں تنگی کرو، بادل کے نیچے اندازہ

[1]-نووی، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ) شرح مسلم، دار إحياء التراث العربي - بيروتو ج7 ص 186

لگاؤ) ہے، جو علماء اس طرف گئے ہیں ان میں امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ (جو رمضان کے ابر والی رات کے روزے کو جائز قرار دیتے ہیں) ہیں، جیسا کہ ان شاء اللہ ہم ذکر کریں گے اور ابن سریج اور ایک جماعت جن میں مطرف بن عبداللہ اور ابن قتیبہ اور دیگر ہیں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ "اس کا حساب لگاؤ منازل سے" اور امام مالکؒ، شافعی اور امام ابو حنیفہؒ اور جمہور سلف و خلف اس طرف گئے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ "اس کے لیے اندازہ کر کے تیس دن پورے کر لو"

ملا علی قاریؒ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ قَالَ ابْنُ سُرَيْجٍ: " فَاقْدِرُوا " خِطَابُ مَنْ خَصَّهُ اللَّهُ بِهَذَا الْعِلْمِ، وَقَوْلُهُ: " فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ " خِطَابٌ لِلْعَامَّةِ اهـ وَهُوَ مَرْدُودٌ لِحَدِيثِ " «إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ» "، فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ مَعْرِفَةَ الشَّهْرِ لَيْسَتْ إِلَى الْكِتَابِ وَالْحِسَابِ كَمَا يَزْعُمُهُ أَهْلُ النُّجُومِ، وَلِلْإِجْمَاعِ عَلَى عَدَمِ الِاعْتِدَادِ بِقَوْلِ الْمُنَجِّمِينَ وَلَوِ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ يُرَى، وَلِقَوْلِهِ - تَعَالَى - مُخَاطِبًا خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ خِطَابًا عَامًّا {فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ} [البقرة: 185] وَلِقَوْلِهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخِطَابِ الْعَامِّ " «صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ» " وَلِمَا فِي نَفْسِ هَذَا الْحَدِيثِ: " «لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ» " وَلِمَا فِي حَدِيثِ أَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: " «الصَّوْمُ يَوْمَ يَصُومُونَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُونَ» " بَلْ أَقُولُ: لَوْ صَامَ الْمُنَجِّمُ عَنْ رَمَضَانَ قَبْلَ رُؤْيَتِهِ بِنَاءً عَلَى مَعْرِفَتِهِ يَكُونُ

عَاصِيًا فِي صَوْمِهِ، إِلَّا إِذَا ثَبَتَ الْهِلَالُ عَلَى خِلَافٍ فِيهِ، وَلَوْ جَعَلَ عِيدَ الْفِطْرِ بِنَاءً عَلَى زَعْمِهِ الْفَاسِدِ يَكُونُ فَاسِقًا، وَتَجِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي قَوْلٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنِ اسْتَحَلَّ إِفْطَارَهُ فَرْضًا عَنْ عَدِّهِ وَاجِبًا صَارَ كَافِرًا.[1]

(ترجمہ: اور شرح سنہ میں ابن سریج نے کہا ہے کہ ''فاقدروا'' خطاب ہے ان لوگوں کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ساتھ خاص کیا ہے، اور ''فاکملوا'' خطاب ہے عوام کے لیے، اور یہ مردود ہے اس روایت کی وجہ سے ''کہ ہم امی لوگ ہیں لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں'' یہ اس بات پر دال ہے کہ مہینے کا سمجھنا حساب کتاب پر موقوف نہیں ہے، جیسے کہ بعض ماہرین خیال کرتے ہیں، اور ماہرین کے قول پر اعتماد نہ کرنے پر اجماع کی وجہ سے بھی یہ مردود ہے اگرچہ وہ اتفاق کرے کہ چاند نظر آئیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے بھی {فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ}[2] (پس تم میں سے جو رمضان کے مہینے میں داخل ہوا توچاہیے کہ روزہ رکھے) **اور آپ** ﷺ کے اس عام خطاب کی وجہ سے «صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ» (کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور اسی کے دیکھنے پر افطار کرو) اور اسی حدیث میں ہے کہ جب تک چاند نہ دیکھو

1- ملاعلی قاری، علي بن (سلطان) محمد، (المتوفى: 1014ھ) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، دار الفكر، بيروت، ج4، ص1372

2- البقرۃ:185

روزہ نہ رکھو۔اور ابوداود میں ابوہریرہ کی حدیث کی وجہ سے ''روزہ اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں اور فطر اس دن ہے جس دن لوگ افطار کریں''

بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ماہر نے رمضان کے چاند دیکھنے سے پہلے اپنی معرفت کی بنیاد پر روزہ رکھا تو وہ اپنے اس روزے میں گناہ گار ہو گا، الا یہ کہ ہلال ثابت ہو جائے باجود اس میں اختلاف کے۔ اور اگر اس نے عید الفطر کی اپنے فاسد گمان کی بناء پر تو وہ فاسق ہو جائے گا، اور اس پر صحیح قول کے مطابق کفارہ واجب ہو جائے گا، اور اگر اس نے اپنے اس افطار کو حلال جانا اپنے شمار کی بناء پر تو کافر ہوا''

وَلَا عِبْرَةَ بِقَوْلِ الْمُؤَقِّتِينَ، وَلَوْ عُدُولًا عَلَى الْمَذْهَبِ قَالَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَقَوْلُ أُولَى التَّوْقِيتِ(در مختار)وتحته فی ردالمحتار: أَيْ فِي وُجُوبِ الصَّوْمِ عَلَى النَّاسِ بَلْ فِي الْمِعْرَاجِ لَا يُعْتَبَرُ قَوْلُهُمْ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَا يَجُوزُ لِلْمُنَجِّمِ أَنْ يَعْمَلَ بِحِسَابِ نَفْسِهِ، وَفِي النَّهْرِ فَلَا يَلْزَمُ بِقَوْلِ الْمُؤَقِّتِينَ أَنَّهُ أَيْ الْهِلَالَ يَكُونُ فِي السَّمَاءِ لَيْلَةَ كَذَا وَإِنْ كَانُوا عُدُولًا فِي الصَّحِيحِ كَمَا فِي الْإِيضَاحِ وَلِلْإِمَامِ السُّبْكِيِّ الشَّافِعِيِّ تَأْلِيفٌ مَالَ فِيهِ إلَى اعْتِمَادِ قَوْلِهِمْ؛ لِأَنَّ الْحِسَابَ قَطْعِيٌّ. اهـ وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ.هَكَذَا وَهَكَذَا» وَقَالَ ابْنُ دَقِيقِ الْعِيدِ: الْحِسَابُ لَا يَجُوزُ الِاعْتِمَادُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ انْتَهَى.[1]

---

[1]-شامی، ابن عابدین، محمد أمين بن عمر(المتوفى: 1252ھ) رد المحتار على الدر المختار ،دار الفكر-بيروت، 1412ھ - 1992م،،ج2،ص387

(ترجمہ: اور اوقات چاند کے تعین کنندہ گان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ وہ عادل ہوں مذہب کے مطابق، وہبانیہ میں ہے اور حساب والوں کا قول (در مختار) اور رد المختار میں اس کے نیچے ہے یعنی لوگوں پر روزے کے وجوب میں بالاجماع، ان کا قول معتبر نہیں ہے اور نجومی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے حساب پر عمل کرکے روزہ رکھے۔ اور نہر میں ہے کہ ماہرین کے اس قول سے لازم نہیں ہوتا کہ ہلال آسمان میں فلاں رات میں ہے، اگرچہ وہ عادل ہوں صحیح قول کے مطابق جیسا کہ ایضاح میں ہے۔ اور امام سبکی شافعی حساب دانوں کے قول کی طرف مائل ہیں کیونکہ حساب یقینی امر ہے اسی طرح شرح الوہبانیہ میں ہے۔

علامہ ریحان البیرونی نے اپنی کتاب ''والآثار الباقية عن القرون الخالية'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہلال کے سلسلے میں قطعی حساب لگانا ممکن ہے۔

"وَلَا يُثْبِتُ الْهِلَالُ بِقَوْلِ مُنَجِّمٍ ، حَاْسَبٍ يَحْسَبُ سَيْرَ الْقَمَرُ لَافِيْ حِقِ نَفْسِهِ وَلَاغَيْرِهِ ،لِأَنَّ الشَّارِعَ أَنَاطَ الصَّوْمَ وَالْفِطْرَ وَالْحَجَّ بِرُؤْيَةِ الهِلَالِ لَا وُجُوْدِهِ اِنْ فُرِضَ صِحَّةُ قَوْلِه فَالْعَمَلُ بَالْمُرَادِ الْفَلَكِيَّةِوَاَنْ كَانَتْ صَحِيْحَةً لَا يَجُوْزُ۔[1]

(ترجمہ: اور ہلال ثابت نہیں ہوتا ہے کسی منجم یعنی حساب کرنے والے کے قول سے جو چاند کی گردش کا حساب لگاتا ہے، نہ اپنے حق میں اور نہ کسی غیر کے حق میں، اس لیے کہ شارع نے روزہ، فطر اور حج کو ہلال کے دیکھنے پر موقوف کیا ہے نہ کے اس کے وجودِ حسابی پر۔ اگر اس کے

---

[1]-وهبة الزحيلي،الفقه الاسلامي وأدلته، دار الفكر - سوريَّة – دمشق، ج2،ص600

قول کو صحیح فرض کیاجائے، تو فلکی حسابات (اگرچہ صحیح ہوں) پر عمل جائز نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کی تجاویز یہاں نقل کر دی جائیں جن میں رؤیت ہلال کو ترجیح دی گئی ہے اور فلکیاتی حساب کا اعتبار نہ کرنا طے پایا ہے۔

"فَإِنَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْ تِلْكَ الْمَنَاطِقِ وَمَا شَابَهَهَا أَنْ يَّأْخُذُوا بِمَنْ يَثِقُوْنَ بِهِ مِنَ الْبِلَادِ الْإِسْلَامِيَّةِ الَّتِي تَعْتَمِدُ عَلَى الرُّؤْيَةِ الْبَصَرِيَّةِ اَلْهِلَالِ دُوْنَ الْحِسَابِ بِأَيِّ شَكْلٍ مِنَ الْاَشْكَالِ۔[1]

(پس مسلمانوں کے لیے ان علاقوں میں اور جو ان کے مشابہ ہوں یہ حکم ہے کہ وہ عمل کریں ایسے اسلامی مملک کے فیصلے پر کہ جن پر ان کو اعتماد ہے اور وہ ممالک رؤیت بصری پر اعتماد کرنے والے ہوں نہ کہ سائنسی حساب پر (جس شکل کی ہو)

تصویر کا دوسرا رخ (فلکیاتی حساب کا کسی حد تک اعتبار):

مولانا سلطان العالم صاحب (جامعۃ الرشید کراچی) رقم طراز ہیں:

"البتہ رؤیت ہلال کو اصل وبنیاد بنا کر فلکی حسابات سے اگر اس طور پر مدد لی جائے کہ ان حسابات کو اصول شریعت کے تابع رکھا جائے اور ان پر عمل سے کسی شرعی اصول کا تعارض پیش نہ آئے تو جمہور متأخرین اور بعض متقدمین نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا اصول شرعیہ کے

[1]-قرارات مجلس المجمع الفقہ الاسلامی: 1410ھ،66ھ

خلاف نہیں چنانچہ بعض اکابر دیوبند اور عرب علماء کے فتاویٰ موجود ہیں۔"[1]

1: مفتی اعظم **مولانا محمد شفیع صاحب** مرحوم فرماتے ہیں:

"مسئلہ ہلال میں بھی اگر نئی ایجادات سے اس حد تک کوئی مدد لی جائے جہاں تک اسلامی اصول مجروح نہ ہوں تو اسکا کس کو انکار ہے؟۔[2]

2: مفتی اعظم **حضرت مولانا رشید احمد صاحب** مرحوم فرماتے ہیں:

""شہادت کی رو سے چاند کی عمر کا پہلا دن پہلی تاریخ قرار پارہا ہے یہ" بدیہی البطلان ہے"(یعنی اس کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے) اسلئے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہلال پیدائش سے بھی قبل نظر آسکتا ہے۔[3]

3: شہید اسلام **مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب** مرحوم "آپکے مسائل اور ان کا حل" میں تحریر فرماتے ہیں:

"قمری مہینے کا شروع ہونا چاند دیکھنے پر موقوف ہے، فلکیات کے فن سے اس میں اتنی مدد تو لی جاسکتی ہے کہ آج چاند ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟[4]

---

[1]۔ تسہیل رؤیت ہلال ص:44

[2]۔ رؤیت ہلال ص10

[3]۔ احسن الفتاویٰ ج4 ص428

[4]۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل، مکتبہ لدھیانوی، ج4، ص517

:4 متقدمین فقہاء سے بھی فلکی حسابات کے اعتبار کی تصریحات ثابت ہیں۔ چنانچہ تابعین میں سے عبداللہ بن شخیر، فقہاء شافعیہ میں سے ابوالعباس بن سریج اور علامہ قلیوبی۔ محدثین میں سے ابن قتیبہ اور علامہ قشیری۔

:5 1407ھ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے ماہرین فقہ اور فلکیات کی تحقیقات کی روشنی میں جو قرارداد منظور کی اسکا ترجمہ درجہ ذیل ہے:

"ترجمہ: مہینے کے ثبوت کے لئے اصل اعتماد رؤیت ہلال پر ہوگا البتہ فلکی حسابات اور فلکی رصد گاہوں سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے تاکہ احادیث نبوی پر بھی عمل ہو اور سائنسی حقائق کی بھی رعایت ہو سکے"۔[1]

:6 فتاویٰ یسئلونک میں ہے:[2]

ترجمہ: علم فلکیات سے جن امور کا اثبات ہو ان سے استیناس کی گنجائش ہے اگرچہ (رؤیت ہلال کے مسئلہ میں) اصل برہنہ آنکھ کی رؤیت ہے مگر شریعت اسلامیہ کے اصول اور عام قواعد اس سے منع نہیں کرتے کہ ہم علم فلکیات سے اس سلسلے میں کوئی مدد حاصل کریں خاص طور پر جب کہ یہ ایک ترقی یافتہ علم ہے اور فلکیات کی معلومات محض حسابات نہیں بلکہ رصد گاہوں اور آلات کے واسطہ سے (حاصل ہونے والے) مشاہدات ہیں۔ سو شرعاً اس امر سے کوئی مانع نہیں کہ ہم اس میدان میں ہونے والی علمی ترقی سے استفادہ کریں۔ بالخصوص نفی کے سلسلے

---

[1]- قراردادیں اور سفارشات، حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی، صفحہ 49

[2]- فتاویٰ یسئلونک، ج8، ص41

میں یعنی جب علم فلکیات چاند نظر آنے کے احتمال کی قطعیت کے ساتھ نفی کرے تو ایسے وقت میں رؤیت کے دعویٰ کو قبول نہ کرنا چاہئے۔

7: فتاوٰی الازھر میں ہے:[1]

ترجمہ: مجمع البحوث الاسلامیہ ازھر کے تیسرے دورے میں منعقد علماء مسلمین کے فقہی سیمینار نے درج ذیل قرارداد پر اتفاق کیا "قمری مہینے کے اغاز کو معلوم کرنے میں اصل رؤیت ہے جیسا کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر اس میں تہمت کا قوی اندیشہ ہو تو اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ رؤیت ہلال کا ثبوت تواتر اور استفاضہ سے ہو گا جیسا کہ ایک آدمی کی خبر سے بھی ثبوت ہو سکتا ہے خواہ وہ ایک مرد ہو یا ایک عورت بشرطیکہ اس کی خبر دینے میں کسی سبب سے کوئی تہمت نہ ہو اور اس اسباب تہمت میں سے معتبر لوگوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے معتبر فلکی حساب کی مخالفت بھی ہے۔

مختصر یہ کہ ان عبارات کی روشنی میں اگر یہ طرز عمل اختیار کیا جائے کہ چاند نہ ہونے کا فیصلہ تو ہمیشہ رؤیت ہی پر کیا جائے لیکن رؤیت کی شہادت کو قبول کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں حسابی لحاظ سے رؤیت کے امکان وعدم امکان کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ کسی اسلامی اصول کے خلاف نہیں بلکہ یہ اسلام کے دین فطرت ہونے کا عین تقاضا ہے۔

[1]-فتاوٰی الازھر، ج1، ص107

اقوال فقہاء کا موازنہ

اور

رؤیت ہلال میں فلکیاتی تحقیق کی حیثیت

فقہاء کرام کی عبارات کو اگر بنظر غائر دیکھا اور پڑھا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ فلکیاتی حساب کا رؤیت ہلال میں دخیل ہونے پر اختلافِ فقہاء نزاع لفظی کی مانند ہے جو حضرات انکاری ہیں تو وہ فلکیاتی حساب کو مستقل دلیل ماننے سے انکاری ہیں اور جو حضرات اقراری ہیں تو وہ حسابِ فلکی کو تابع للرؤیۃ والشہادۃ مانتے ہیں نہ کہ اصلاً فقط اسی حساب پر اعلانِ رؤیت کے قائل ہیں بلکہ فلکیاتی حساب کو مدد ومعاون للرؤیۃ والشہادۃ مانتے ہیں تا کہ تزکیہ شہادت میں قاضی اور مفتی کے لئے آسانی ہو اب اس سائنسی دور میں تو سورج چاند سیاروں اور ستاروں کے طلوع وغروب اور گردشی حسابات تو بالکل بدیہی اور یقینی بنتے جارہے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک خصوصاً سعودیہ، مصر، مراکش، تیونس، پاکستان وغیرہ میں علماء کرام، ماہرین فلکیات وموسمیات سے استفادہ کرتے ہیں ان کے مشوروں اور حسابات کو اہمیت دیتے ہیں ہماری مملکت پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی میں یہی سائنسی ماہرین مستقل ارکان ہیں اور رؤیت ہلال اور شہادت ہلال میں ان کے مشورے داخل اگر نہیں تو دخیل ضرور ہیں۔

چنانچہ مولانا سلطان عالم صاحب (رئیس مجلس تحقیق شعبہ فلکیات جامعۃ الرشید کراچی) رقمطراز ہیں:

”شہادتِ شرعیہ کے مقابلہ میں حسابات کے علی الاطلاق عدم اعتبار کی جو تصریحات فقہائے کرام سے منقول ہیں ان کی توجیہ یہ ہے کہ ماضی

میں فلکی معلومات کا زیادہ تر حصہ محض تخمینی یا ناقص اعداد و شمار پر مبنی تھا اور ذرائع موصلات کا لعدم ہونے کی بناء پر مختلف ماہرین باہم فوری مشاورت بھی نہیں کر سکتے تھے، جس کی وجہ سے اس وقت فلکی معلومات میں غلطی کا امکان غالب تھا، اس لئے شہادت کے مقابلہ میں اس کے عدم اعتبار کی فقہاء کرام نے تصریح فرمائی، مگر آج سائنس کے دیگر شعبوں کی طرح علم فلکیات نے بھی ترقی کر لی ہے اور وہی معلومات آج جدید ترین آلات کی وساطت سے مشاہدہ کے دائرہ میں آگئی ہیں۔"[1]

لہٰذا اب یہ صرف نظریاتی معلومات ہی نہیں بلکہ ایسے مشاہدات ہیں جن کا بعض حصہ قطعی درایت کے درجہ میں ہے، جبکہ شہادت خبر واحد کی ایک قسم ہونے کی بناء پر ظن کا فائدہ دینے والی ایک روایت ہی ہے، اور ظن یعنی غیر قطعی روایت کو درایت کے قطعی اصولوں پر جانچنے پرکھنے کے اصول نہ صرف یہ کہ معقول ہیں بلکہ خود فقہاء اور محدثین سے منقول بھی ہیں۔

چنانچہ اصول فقہ وحدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں متن روایت کے اعتبار سے خبر واحد کے اعتبار کی شرطیں اس طرح مذکور ہیں:

"شرط العلم بخبر الواحد أن لا یکون مخالفاً للکتاب والسنۃ المشھورۃ و ان لا یکون مخالفاً للظاھر۔

ترجمہ: خبر واحد پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اور سنۃ مشہورہ کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی ظاہر کے خلاف ہو۔

---

[1]۔ تسہیل رؤیت ہلال، صفحہ 48

دوسری بات یہ ہے کہ حسابات اگر شرعی طور پر علی الاطلاق غیر معتبر ہوتے تو نظام شمسی میں بھی اس کا اعتبار نہ ہوتا، حالانکہ سحر وافطار کے علاوہ دن رات کی سب نمازوں کے اوقات میں ساری دنیا کے مسلمان ان ہی حسابات پر عمل کرتے ہیں۔

لٰہذا ہمارے خیال میں شہادت شرعیہ کو رد یا قبول کرنے کے سلسلہ میں بھی فلکی حسابات کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، البتہ ایسے میں قطعیت وظنیت کے لحاظ سے ان حسابات و معلومات کے درجہ اور حیثیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

فلکی معلومات کے مختلف درجات:

رؤیت ہلال کی گواہی کو حسابات کی بنیاد پر رد کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں فلکی معلومات کے تین درجے کیے جاسکتے ہیں:

ا۔ بعض معلومات قطعی اور کلی ہیں کہ ان کے خلاف کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ولادت قمر یا غروب کا وقت، چاند کی نوکوں کا رخ، ارتفاع اور مقام وغیرہ۔

ب۔ بعض معلومات ظنی ہیں اور محض قرائن کے درجہ میں ہیں جیسے ان مقامات پر چاند کو قابل رؤیت یا ناقابل رؤیت کہنا جہاں مختلف ماہرین کی آراء میں اختلاف ہوتا ہے۔

ج۔ بعض معلومات اصلاً ظنی ہیں مگر بار بار کے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں اس طور پر ثابت اور مظنون ہیں کہ عموماً ان کے خلاف نہیں ہوتا۔ جیسے وہ مقامات جہاں کسی خاص دن چاند کے قابل رؤیت ہونے پر محققین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

حسابات کے اختلاف کی بنیاد پر ردِ شہادت کا شرعی ضابطہ:

فقہاءِ کرام کی تصریحات کی روشنی میں ان تین قسم کی فلکی معلومات کے خلاف گواہی کو رد یا قبول کرنے کا شرعی ضابطہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گواہی فلکیات کی قطعی معلومات کے خلاف ہو اس کو بالکلیہ رَد کرنا لازم ہے، مثلاً چاند کی ولادت اور طلوع وغروب ایسے کائناتی

واقعات ہیں کہ ان کا حدوث ان کے وقت معلوم سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا،(نقشوں میں ایک دو منٹ کے اختلاف کی وجہ احتیاطی وقت کو شامل کرنا نہ کرنا وغیرہ ہے، جس کو اہل فن سمجھتے ہیں)

چنانچہ علم فلکیات کی رو سے چاند کے غروب کا جو وقت ہمیں معلوم ہے، وہ وقت ہونے پر چاند کے غروب ہونے کا ایسا ہی یقین ہو جاتا ہے جیسے غروب آفتاب کے کیلنڈر میں لکھے ہوئے وقت کے مطابق ہمیں مغرب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص چاند کی ولادت کے وقت سے پہلے یا وقتِ غروب کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دے، یا ایسے دن چاند دیکھنے کی گواہی دے جس دن چاند سورج سے پہلے غروب ہو گیا ہو، تو اس کی یہ گواہی شرعاً مردود ہو گی، کیونکہ شرعی اعتبار سے یہ خلافِ محسوس یا ممتنع عقلی کی گواہی ہے۔ اور فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسے امر کی گواہی جو خلاف محسوس ہو یا عقلاً ممتنع ہو، مردود ہے چنانچہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

" لَا تُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ الَّتِي أُقِيمَتْ عَلَى خِلَافِ الْمَحْسُوسِ مَثَلًا إِذَا أُقِيمَتْ الْبَيِّنَةُ عَلَى مَوْتِ مَنْ حَيَاتُهُ مُشَاهَدَةٌ أَوْ عَلَى خَرَابِ دَارٍ عَمَارُهَا مُشَاهَدٌ فَلَا تُقْبَلُ وَلَا تُعْتَبَرُ"[1]

گواہی قبول نہیں جو قائم کی گئی ہو خلاف محسوس (موجود) پر، جیسے قائم کی جائے گواہی ایسے آدمی کی موت پر جو زندہ دکھائی دیتا ہو یا ایسے گھر کے ویران ہونے پر جس کی عمارت سلامت دکھائی دے رہی ہو اس قسم کی گواہی نہ قبول ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے۔ الخ"

[1]-مجلة الأحكام العدلية،آرام باغ كراتشي،ص342

اسی کو علامہ سبکیؒ نے اس طرح واضح کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ گواہی دے کہ میں نے اپنے سے ایک دن کی مسافت پر دور کھڑے شخص کو سنا ہے کہ اس نے کسی حق کا اقرار کیا تو ظاہر ہے کہ اس کی گواہی مردود ہو گی، کیونکہ ایسا ہونا اگرچہ بطور کرامت عقلاً ممکن ہے مگر گواہی قبول ہونے کے لیے امکان عقلی کافی نہیں، عادۃً امکان ضروری ہے اور عادۃً ایسا ہونا ممکن نہیں۔اور جو فلکی معلومات ظن غالب کے درجہ میں مظنون ہوں ان کے خلاف گواہی نہ ہو تو علی الاطلاق (عمومی طور پر) قبول کی جائے اور نہ رَد، بلکہ فلکی معلومات کی روشنی میں اس پر ردو قدح (علمی تنقید) کی جائے۔

ہاں جو امر فنی طور پر محض ظنی اور قرائن کے درجہ میں ہو مثلاً ان مقامات پر چاند کی رؤیت جہاں خود ماہرین کے مابین اختلاف ہوتا ہے یا جو امر فلکیاتی طور پر تو قطعی ہو لیکن واقعاتی طور پر گواہ اس کے تخمینے (اندازے) میں غلطی کر سکتا ہو مثلاً چاند کی افق سے بلندی، یا اس کی نوکوں کا رُخ وغیرہ تو ایسے مواقع پر گواہی کو مطلقاً رَد یا مجروح قرار دینا شرعاً درست نہیں بلکہ اس میں قاضی کو بھرپور تیقظ اور بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے۔ قاضی اگر خود علم فلکیات سے واقف ہو یا اسے ماہرین کی معاونت حاصل ہو تو اس کے لیے ایسے مواقع پر چاند دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے کی بات کی صداقت یا جہالت کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کی روشنی میں **خلاصہ** یہ ہے کہ فلکی معلومات پر شرعاً رؤیت کا مدار نہیں ،البتہ چاند کی رؤیت معتبر ہونے میں فلکیات کی یقینی یا ظن غالب کے درجہ میں مظنون معلومات کا اعتبار ضروری ہے۔

حدیث شریف کادرست مطلب:

«نَحنُ أُمَّةٌ أُمِّيُّونَ، لَا نَحْسُبُ وَلَا نَكْتُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا» [1]

(ہم امی لوگ ہیں حساب کتاب نہیں جانتے ہیں ، مہینہ اس طرح ہے۔۔۔)

اس روایت میں حسابات پر مدار ہونے کی نفی ہے،اعتبار کی نفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اس حدیث مین صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلامی مہینے کا آغاز چاند دیکھنے سے ہوتا ہے، حسابی لحاظ سے چاند کی ولادت جس کو اہل ہئیت نئے مہینے کا آغاز سمجھتے ہیں، شرعاً اس سے نئے مہینے کا آغاز نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس نے مختلف عبادتوں اور تہواروں کے اوقات کے لئے ایسی چیزوں کو معیار بنایا ہے جن کا سمجھنا ہر عام و خاص، عالم، جاہل سب کے لئے آسان ہو اس لئے قمری مہینوں کے بارے میں تکلفات کی بجائے چاند دیکھنے یا مہینہ کے تیس دن مکمل کر لینے کو معیار قرار دیا ہے۔البتہ فلکیاتی تحقیق سے اس قدر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ جس تاریخ کو طلوع ہلال کا امکان نہ ہو اس روز رؤیت ہلال کی شہادت کافی تحقیق اور ناقابل تردید تعداد کی گواہی کے بغیر تسلیم نہ کی جائے اور جس دن فنی اعتبار سے طلوع ہلال کا امکان زیادہ ہو اس دن معمولی خبر پر بھی اعتبار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں اصل ایسی خبر کا پایا جانا ہے جس سے قاضی کا دل مطمئن ہو جائے اور اس طرح کی فنی تائید معمولی خبر کے لئے بھی تقویت وتائید کا باعث بن جاتی ہے۔

---

[1]-مسنداحمد،مسندعبدالله بن عمرؓ،حدیث نمبر:6041

حقیقت رؤیت ہلال

(رؤیتِ ہلال کے فنی طریقوں کا علمی جائزہ)

اس مضمون سے مقصد علماء اور اصحاب فکر کو اس فن کے متعلق حقائق بتانے ہیں تاکہ معمولی لاپرواہی سے مسلمانوں کے روزے اور دیگر اعمال کا حرج نہ ہو جن کا مدار رؤیت ہلال پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل دینی و فنی حقائق سامنے نہ آنے پر مختلف ملکوں میں دو دو اور تین تین عیدیں تک منائی جاتی ہیں۔ ہاں احتیاط کے باوجود غلط گواہی کی بدولت اگر تاریخیں آگے پیچھے ہو جائیں تو معقول بات ہے۔ لیکن جان بوجھ کر روزہ اور عید کو آگے پیچھے لے جانا اصطلاحِ قرآنیہ میں ''نسیٔ'' کہلاتا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ''[1] اس لئے مسلمانوں کو ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ''الشَّمسُ وَالقَمَرُ بِحُسبَانٍ''[2] کے ذریعے اتنا تو معلوم ہے کہ شمس و قمر بالکل اپنے حساب سے محوِ گردش ہیں۔ اوقات نماز؛ سحر و افطار سب نظام اسی کے مطابق ٹھیک چل رہا ہے۔ البتہ چاند کا حساب امّت کے سامنے واضح طور پر نہ آنے کی وجہ سے ابھی تک اتنا شرحِ صدر (اطمینان) نہیں ہوا ہے جتنا کہ سورج کے بارے میں ہو چکا ہے۔ حالانکہ آج کل علم فلکیات، چاند کے متعلق دس بارہ چیزوں کا پیشگی حساب پیش کرتا ہے۔ مثلاً:

(1) چاند کب پیدا ہو گا۔

(2) چاند کس وقت غروب ہو گا۔

---

[1]- توبہ: 9، آیت نمبر 73

[2]- الرحمٰن: 55، آیت نمبر 5

(3) اس شہر کے کس مقام پر غروب ہو گا۔
(4) اس وقت چاند کی عمر کتنے گھنٹے ہو گی۔
(5) غروب آفتاب کے بعد چاند کتنے منٹ تک اُفق پر رہے گا۔
(6) چاند، سورج سے کتنی ڈگری دور ہو چکا ہو گا۔
(7) اس دن چاند کی بلندی (ارتفاع) کتنی ڈگری ہو گی۔
(8) اس شہر والوں کو آج نظر آئے گا کہ نہیں۔
(9) دنیا میں سب سے پہلے چاند کہاں نظر آئے گا۔
(10) چاند میں مقناطیس کتنا ہو گا۔
(11) چاند کا سائز کیا ہو گا۔

یہ معلومات تمام مہینے میں ہر روز دی جاتی ہیں۔جب ان حسابات کو سامنے رکھ کر چاند کو چیک کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی ایک ایک حساب گردشِ قمر کے موافق ہے۔

بے شک یہ حساب رؤیتِ عامہ اور سچی گواہی سے کبھی نہیں ٹکراتا، اگر ٹکرانے والی چیز ہے تو وہ جھوٹی گواہی یا وہمی گواہی ہے۔اب ان حسابات کو چیک کئے بغیر یہ کہہ دینا کہ ''حساب کا اعتبار نہیں'' اور امکان رؤیت سے دو روز ہی قبل چاند دیکھنے کی گواہی آجائے تو اس کو قبول کر لینا یہ کونسی دیانت داری ہے؟ براہِ کرم اس رویے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔کم از کم جھوٹی گواہی کی چھان بین کرنا علماء کے فرائض میں سے ہے تاکہ اعمالِ دینیہ کی حفاظت کی جاسکے۔

آج اُمّت میں جو انتشار اور افتراق برپا ہے اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنا ایک الگ نظریہ قائم کیا ہے۔اور اسی کے مطابق عید اور روزے کا اہتمام کرتا ہے۔مثلاً بعض مسلمانوں نے (New Moon) کو ''نیا چاند'' قرار دیا تو بعض نے محض وجودِ قمر کو کافی

سمجھا اور بعض نے امکانِ رؤیت کا فلسفہ اپنایا۔ اس لئے ان تینوں (نیو مون' وجودِ قمر' امکان رؤیت) کی حقیقت بیان کرنے سے معاملہ کی تہ تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔

نیا چاند (New Moon):

چاند اپنی گردش میں قمری مہینے کی اخیر 27 یا 28 کو ڈوبنے کے اعتبار سے سورج سے پہلے ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ زمین' چاند اور سورج ایک لائن میں آجاتے ہیں۔ جب تینوں ایک لائن میں آجاتے ہیں تو اس کو "اجتماعِ شمس و قمر" کہتے ہیں۔ اور انگریزی میں اس لمحے کو "نیو مون" کہتے ہیں۔ اس وقت چاند کا سیاہ حصہ زمین کی طرف اور روشن حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ اسی لئے اس حالت میں چاند کسی کو نظر نہیں آسکتا۔ نیو مون محاق کا بالکل درمیانی وقت ہوتا ہے۔ اس سے پہلے تقریباً ایک دن ایک رات "محاق" رہتا ہے۔ اور ایک دن ایک رات بعد میں محاق رہتا ہے۔ گویا مجموعی طور پر دو راتیں اور کبھی تین راتیں مع دن کے محاق رہتا ہے۔

جیسا کہ لغت کی معروف کتاب المنجد میں مذکور ہے۔ (وقیل ثلٰث لیالٍ من اٰخرہ)[1]

وجودِ قمر:

نیو مون کے بعد چاند جب سورج سے پیچھے ہٹے اور غروب شمس کے بعد چند منٹوں کے لئے اُفق پر موجود رہے چاہے' ایک منٹ کیوں نہ ہو اسکو "وجودِ قمر" کہتے ہیں۔ اس وقت چاند سورج اور زمین کے بالکل درمیان میں نہیں ہوتا ہے بلکہ چاند سورج اور زمین کی لائن سے تھوڑا سا اونچا ہوتا ہے۔ اسی لئے چاند سورج کے بعد ڈوبتا ہے۔ اس وقت بھی چاند کا سیاہ حصہ

1- دیکھئے مادہ، ق، م المنجد

زمین کی طرف ہوتا ہے اور روشن حصہ سورج کی طرف اس لئے چاند کسی کو نظر نہیں آسکتا، یہ وقت بھی ''محاق'' کا وقت ہوتا ہے۔

امکانِ رؤیت:

نیو مون اور وجودِ قمر کے بعد چاند سورج سے تقریباً 12 ڈگری دور ہو جائے تو سورج کی تیز شعاعوں سے چاند باہر نکل جاتا ہے اور اسکا کچھ روشن حصہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ مطلع اگر صاف ہو تو چاند خالی آنکھ سے نظر آتا ہے اسی وقت کو امکان رؤیت کا ٹائم کہتے ہیں۔ اسی دیکھنے کے وقت سے ''ہلالِ شرعی'' شروع ہوتا ہے۔ روزہ عید اور دیگر تمام احکامات کا مدار اسی ''ہلال'' پر ہے۔

نوٹ:

فلکی لوگ (ماہرینِ فلکیات) نیو مون کے وقت سے گردشِ قمر کا حساب لگاتے ہیں۔ عیسائی، یہودی، اور ہندو لوگ اپنی قمری تاریخوں کی ابتداء نیو مون سے ہی کرتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ میں اس سے ایک دن یا دو دن بعد چاند دیکھنے سے ابتداء کی جاتی ہے۔

وقوعِ رؤیت:

دنیا کے مختلف جگہوں پر مختلف اوقات میں چاند نظر آتا ہے۔ پوری دنیا میں تقریباً ایک دن کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ کم از کم سورج سے کتنے دور ہونے پر چاند نظر آتا ہے۔ اسکے بارے میں فلکیاتِ قدیمہ کی مشہور کتاب ''التصریح'' میں یوں لکھا گیا ہے کہ

" فَفِی اِجتمَاعِ الشَّمسِ وَالقَمَرِ وَجه القَمرِ المُظلِمُ اِلینَا وَوجْہہ المُضِیئِ اِلی الشَمس وَھُوَالمَحَاقُ و۔ اِذ بَعُدَعَنھَا اَی عَنِ

الشَمسِ بُعداً یسِیرا مِن اثنَا عَشَرَ دَرَجَة رَأینَا مِنه اَی مِن القَمَرِ وَجههُ المُضیئ قلِیلاً وَهُوَ الهلَالُ"[1]

ترجمہ:۔ سورج اور چاند جب حالتِ اجتماع میں ایک لائن پر آجاتے ہیں تو چاند کا سیاہ رخ ہماری طرف اور روشن رخ سورج کی جانب ہوتا ہے اسی کو ''محاق'' کہتے ہیں۔ جب چاند سورج سے تدریجاً دور چلا جاتا ہے تقریباً 12 درجے تو چاند کے روشن رخ کا معمولی حصہ ہمیں نظر آجاتا ہے۔ جسکو ''ہلال'' کہتے ہیں۔

شرح چغمینی میں لکھا ہے:

" فَعِند اجتِمَاعِ الشَمس، والقَمَر یَکُونُ القَمَرُ بَینَناَ وَ بَینَ الشَمسِ فَیَکُونُ نِصفُہٗ المُظلِمُ مُواجِہاً لَنَا فَلاَ نَرئٗ شَیاً مِن ضَوئِہٖ وذَالِکَ هُوَالمَحَاقُ وَاِذَا بَعُدَ عَنِ الشَمسِ مِقدَارا قَرِیباً مِنَ اثنَا عَشَرجُزءً اَو اَقَلّ مِنہٗ بِقَلِیلٍ اَو اَکثرَ کَذَلِکَ عَلیٰ اِختِلافِ اوضَاعِ المَسَاکِنِ مَالَ نِصفُہٗ المُضِیئُ اِلَینَا مَیلاً صَالِحاً فَنَرئٗ طَرفاً مِنہٗ وَهُوَالهِلالُ"[2]

ترجمہ:۔ حالت اجتماع میں چاند، زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے۔ چاند کا سیاہ رخ ہماری طرف ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اسکی روشنی کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ یہی ''حالتِ محاق'' ہوتی ہے پھر جب چاند سورج سے جوں جوں دور چلا جاتا ہے۔ تقریباً 12 درجے یا کچھ

1۔ التصریح: مطبع مجتبائی دھلی، ص50

2۔ چغمینی، مطبع منشی نول کشور انڈیا، ص86

کم، زیادہ مختلف مقامات کے لحاظ سے، تو اسکا روشن حصہ ہماری طرف مائل ہو جاتا ہے اور ہم اسکا کچھ حصہ دیکھ لیتے ہیں، جسکو ''ہلال'' کہتے ہیں۔

ابوریحان البیرونی کی کتاب القانون المسعودی جزءثانی میں لکھا گیا ہے۔

" اِنَّ رُویۃَ الھلالِ یُمکِنُ متیٰ کَانَ ابنُ یومٍ بِلَیلتِہ وَ سَبَقَ القَمَرُ فِیہ اِثنیٰ عَشَرَ جُزءً بالتقرِیبِ فَاِن کَانَ اَکثر مِن اِثنیٰ عَشَر دَرَجۃ وَجَبَتِ الرُؤیۃ واِن کَانَت اَقَلّ اِمتَنَعَت فَاِن سَاوتھا اَمکَنَت" [1]

ترجمہ:۔ چاند کی عمر جب ایک دن رات ہو جاتی ہے تو اسکی رؤیت ممکن ہو جاتی ہے، اور اس دوران چاند تقریباً 12 درجے طے کر لیتا ہے۔ اب اگر 12 درجے سے زیادہ فاصلہ ہو تو پھر رؤیت واجب ہے اگر 12 درجے سے کم ہے تو پھر رؤیت ممتنع (غیر ممکن) ہے اور اگر 12 درجے برابر ہے تو رؤیت ممکن ہے۔

خلاصۂ عبارت:

فلکیات کی ان تینوں مستند کتابوں سے متفقہ طور پر تین باتیں معلوم ہوئیں۔

(1):۔ زمین چاند اور سورج ایک لائن میں آجائیں تو وہ محاق کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت چاند کا سیاہ حصہ زمین کی طرف اور روشن حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت چاند کسی کو نظر نہیں آسکتا کیونکہ ابھی ہلال بنا ہی نہیں ہے۔

[1]۔ القانون المسعودی ج 2، ص 953

(2):۔تینوں کتابوں نے متفقہ طور پر بتایا کہ چاند سورج سے 12 ڈگری ہٹ جانے کے بعد ہی خالی آنکھ سے نظر آتا ہے۔ جسکو ہلال کہتے ہیں۔12 ڈگری پار کرنے پر چاند کی عمر نیو مون سے تقریباً 24 گھنٹے ہو گی۔

(3):۔ نیو مون کے فوراً بعد کے وقت کو ہلال ہر گز نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ ماہرین فلکیات بھی اس وقت کے چاند کو ہلال کہتے ہیں جب چاند 12 ڈگری سورج سے دور ہو گیا ہو اور اس کا کچھ روشن حصہ آنکھوں سے نظر آنے لگا ہو۔ دور جدید کی تحقیق کے مطابق یعنی گرینچ والوں کے حساب سے بھی 10 ڈگری دوری ضروری ہے تب جا کر چاند ہلالی شکل میں نظر آسکتا ہے۔

رؤیت کے وقت چاند کے احوال

چاند نظر آنے کے لئے جس طرح چاند کی سورج سے دس، بارہ، درجے دوری شرط ہے اسی طرح ایک دوسری شرط بھی ہے جسکو ''ارتفاع'' (یعنی زمین سے چاند کی بلندی) کہتے ہیں۔ جس شہر سے آپ چاند دیکھ رہے ہیں غروب آفتاب کے وقت اس جگہ سے کم از کم 5 ڈگری اونچا ہو تب وہ آپ کو نظر آئے گا۔ اگر سورج سے چاند کی دوری 30 ڈگری بھی ہو گئی لیکن اس شہر میں اس دن چاند سورج سے پہلے ڈوب رہا ہے یا سورج کے بعد ڈوب رہا ہے لیکن ارتفاع 5 ڈگری نہیں ہے تو چاند نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے چاند نظر آنے کے لئے دوری کے ساتھ ارتفاع بھی ضروری ہے۔

ماہرین فلکیات اصل میں دوری سے حساب کرتے ہیں پھر اس شہر سے ارتفاع کو دیکھتے ہیں پھر کہتے ہیں چاند نظر آئے گا یا نہیں۔ چاند کی عمر گھنٹے کا حساب، اصل نہیں ہے بلکہ ان دونوں (فاصلہ اور ارتفاع) کو ملانے کے بعد اس کے گھنٹے کا حساب لگاتے ہیں۔ اس مسئلے میں زیادہ تر ''چاند کا راستہ'' دخیل ہوتا ہے کیونکہ چاند کبھی شمال کی طرف 45 ڈگری تک چلا جاتا ہے۔ پھر اگلے موسم میں 45 ڈگری جنوب تک چلا جاتا ہے چاند اگر جنوب میں ہو تو شمالی علاقوں یعنی برطانیہ وغیرہ میں کئی دنوں تک چاند کا ارتفاع 5 ڈگری پورا نہیں ہوتا۔ اسلئے دوری 30 ڈگری ہونے کے باوجود کئی دنوں تک چاند نظر نہیں آتا۔ اور چاند اگر شمال میں ہو تو پھر معاملہ اس کا برعکس ہوتا ہے۔

یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ امکان رؤیت کے مسئلے میں جدید اور قدیم ماہرین میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ جدید والے کہتے ہیں کہ 8 ڈگری پر شاذونادر نظر آجاتا ہے اور عموماً دوربین سے 10 ڈگری پر نظر آتا ہے۔ پرانی کتابوں میں خالی آنکھوں سے 12 ڈگری پر چاند نظر آنا بتلادیا ہے۔ جدید والے 10 ڈگری پر دیکھے جانے کا امکان اس وقت بتاتے ہیں جب پہلے

دوربین سے دیکھ کر چاند کو متعّین کرلیا جائے، پھر خالی آنکھ سے دیکھا جائے تب خالی آنکھ سے نظر آئے گا۔ اگر صرف خالی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی جائے تو عموماً 12 ڈگری پر ہی نظر آئے گا اور یہی بات عربی کی پرانی کتابوں میں لکھی گئی ہے۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جدید و قدیم تحقیقات تقریباً یکساں ہیں تو درست ہوگا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جو تحقیقات کی ہے وہ سائنسی زمانہ میں بھی اسی طرح کارآمد اور مفید ہیں۔ بلکہ جدید سائنس اس کی تائید اور تصدیق کررہی ہے۔

کیا ایک مقام کی رؤیت تمام دنیا کے لئے کافی ہے؟

اس وقت دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں میں یہ رجحان بڑھتا جارہا ہے کہ تمام جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر نیو مون کے بعد ہی سے ہلال تسلیم کرلیا جائے اور اسی پر رمضان وعید کا فیصلہ کرلیا جائے۔ لیکن اس مسئلے کے بارے میں پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ کیا شریعتِ اسلامی یا ماہرین فلکیات کم از کم اہلِ لغت ہی محاق میں چھپے ہوئے چاند کو ہلال کہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ان حضرات کی نظر میں ہلال ہے تو آپ کے لئے گنجائش ہے۔ اور اگر وہ کسی بھی اعتبار سے ہلال نہیں ہے تو پھر جب سے ہلال برآمد ہوتا ہے اس وقت سے احکام شرعیہّ نافذ ہونگے۔ اور اس سے قبل رمضان وعید ادا کرنا ایسا ہی ضائع وبیکار ہوگا جیسے کوئی آدمی مغرب کی نماز غروب آفتاب سے پہلے پڑھے تو اسکی نماز ضائع ہوجائے گی بلکہ دانستہ ایسا کرنے پر سزا کا مستحق بھی ہوگا۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ ہلال کا معنٰی ہے ظاہر ہونا۔ ہلال کو بھی ہلال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ المنجد میں ہے:

الھلالُ: ظَھَرَ اِستَھَلَّ الھِلَالُ ظَھَرَ۔[1]

---

[1]۔ المنجد: مادہ، ھ، ل، ل

(ہلال کا معنی ہے ظاہر ہونا)

اسکا مطلب یہ ہے کہ جو مون (چاند) آنکھوں سے پوشیدہ ہو اس کو ہلال نہیں کہیں گے اس کو محاق کا چاند کہتے ہیں۔ نیو مون کو ہلال ماننے کی صورت میں پوری دنیا میں ہلال ایک رات تک لازماً پوشیدہ رہے گا۔ اس لئے اس کو ہلال کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ ہلال کے معنٰی میں ظاہر ہونا موجود ہے۔

علماءِ فلکیات کے محاورے میں بھی یہ ہے کہ اجتماعِ شمس و قمر کے بعد جب تک چاند سورج سے 12 ڈگری دور نہ ہو جائے اسکو ''محاق'' ہی کہتے ہیں اور 12 ڈگری ہٹنے کے بعد جب نظر آنے کے قابل ہو جائے تب اسکو ''ہلال'' کہتے ہیں۔

فلکیات کی معروف کتاب ''التصریح'' میں ہے:

"وَإِذَا بَعُدَ عَنِ الشَمسِ بُعداً یسِیراً مِن اِثنَی عَشَرۃَ دَرَجَۃً رَأَینَا مِنہُ أَی مِن وَجھِہِ المضِیئ قَلیلاً وَھُوَ الھِلالُ"[1]

ترجمہ:۔ جب سورج سے چاند 12 ڈگری دور ہو جاتا ہے تو اس کا روشن حصہ تھوڑا سا دکھائی دیتا ہے اسکو ہلال کہتے ہیں۔

چغمینی میں ہے:

"وَإِذَا بَعُدَ عَنِ الشَمس مِقدَاراً قَرِیباً مِن اِثنَی عَشَرَ جُزءً فَنَرَی طرفاً مِنہ وَھُوَ الھِلالُ"[2]

ترجمہ:۔ اور چاند جب سورج سے 12 ڈگری دور چلا تا ہے۔ اسکے روشن حصے میں سے کچھ دیکھ لیتے ہیں یہی ہلال ہے۔

1۔ التصریح: ص 50 مطبع مجتبائی دہلی

2۔ چغمینی: ص 86 مطبع نول کشور انڈیا

عہد نبوی ﷺ سے استدلال:

زمانہ نبوی ﷺ سے آج تک تمام مسلمان چاند دیکھ کر ہی قمری مہینوں کی ابتداء کرتے چلے آئے ہیں اور اسی پر امّت کا اتفاق ہے۔ان کے یہاں نیو مون سے ہلال ماننے کا کوئی تصور نہیں تھا اور نہ اب ہے۔زمانہ نبوی ﷺ میں ایک مرتبہ امکان رؤیت سے ایک روز بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو چاند نظر آیا چاند اتنا موٹا تھا کہ وہ دو تین راتوں کا محسوس ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا جس رات سے وہ نظر آیا ہے اسی رات سے تاریخ شروع ہو گی۔

"عَن أَبِی البَختَرِیِ قَالَ خَرَجنَا لِلعُمرَةِ فَلَمَّا نَزَلنَا بِبَطنِ نَخلَةِ ۔قَال۔فَرَأَینَا اَلهِلَالَ فَقَال بَعضُ القَومِ هُوَابنُ لَیلَتَینِ قَالَ فَلَقِینَا ابنَ عَبَّاسٍ فَقُلنَا اِنَّا رَأَینَا الهِلَالَ فقَالَ بَعضُ القَومِ هُوَ ابنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعضُ القَومِ هُوَابنُ لَیلَتَینِ۔ فَقَالَ أَی لَیلَة رَأَیتُمُوهُ قَال فَقُلنَا لَیلَةَ کَذَا وَ کَذَا۔ فَقَالَ اِنَّ رَسُولَ الله قَالَ،اِنَّ الله مَدَّهُ لِلرُؤیَةِ هُوَ لِلَیلَةِ رَأَیتُمُوهُ"[1]

(ابو لبختری بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرے کے لیے گئے، جب ہم وادیٔ نخلہ میں پہنچے تو ہم نے چاند دیکھا، بعض لوگوں نے کہا:"تیسری تاریخ کا چاند لگتا ہے"اور بعض نے کہا:"دوسری تاریخ کا چاند لگتا ہے"۔ راوی بیان کرتا ہے: پھر ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہوئی، تو ہم نے (قیاس کی بنیاد پر اختلاف کی) یہ صورت حال ان کو بتائی ۔انہوں نے فرمایا:"تم نے چاند کس رات کو دیکھا تھا"؟، ہم نے

---

[1]-صحیح مسلم،بَابُ بَیَانِ أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِکُبْرِ الْهِلَالِ وَصِغَرِهِ،حدیث نمبر:29

کہا: ''فلاں رات کو''، انہوں نے کہا: رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لیے اسے بڑھادیا، درحقیقت یہ اسی رات کا چاند ہے، جس رات کو تم نے اسے دیکھا ہے۔)

اس حدیث مبارکہ میں رؤیۃ کو اتنی فوقیّت دی گئی ہے کہ نظر آنے سے پہلے کا چاند چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں اب جو چاند نظر ہی نہ آسکتا ہو اور ابھی لغوی، فلکی اور شرعی کسی بھی اعتبار سے ہلال ہی نہیں بنا۔ بھلا اس کو کیسے ہلال تسلیم کر کے رمضان و عید شروع کرائے جائیں، حیرت ہے؟

حدیث فَاقدِرُوا لہ سے غلط استدلال:

جو حضرات نیو مون کے فوراً بعد یعنی وَجود قمر پر اپنی قمری تاریخ شروع کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ''فان غُم علیکم فَاقدِرُوا لہُ" ہے۔ جسکا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ''حساب کرلو''۔ پھر حساب کرنے بیٹھتے ہیں تو اس کا حساب نہیں کرتے کہ چاند ہلال بن جائے اور دنیا کے کسی حصے میں نظر آنے کے قابل ہو جائے۔ بلکہ کھینچ تان کر کے نیو مون کا حساب کرواتے ہیں۔ ایک دن پہلے شعبان میں روزہ رکھواتے ہیں اور فرض روزہ چھوڑ کر رمضان میں عید منواتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں مسلم شریف میں وہ اس طرح ہے:

"عَن ابنِ عُمرَ۔ رضی الله عنهما۔ عَنِ النَبِیِّ ﷺ أَنَّه ذَکَرَ رَمضَان فَقَال۔ لَا تصُومُوا حَتیٰ تَرَوا الهلالُ ولا تفطروا حتی تروه فَإِن أُغمِیَ عَلیکُم فَاقدِرُوالَهُ"[1]

پوری روایت درجہ ذیل ہے:

"عَن عبدِاللّٰہ بنِ عُمرَ۔ رضی الله عنهما۔ عَنِ النَبِیِّ ﷺ۔۔الشَهرُ تِسعٌ وَعِشرُونَ فَإِذَارَأَیتُمُ الهِلالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَیتُمُوهُ فَأَفطِرُوا فَإِن غُمّ۔ عَلیکُم فَاقدِرُوا لَهٗ"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ مہینہ انیتس دن کا ہوتا ہے، جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھ لو تو عید مناؤ، اگر چاند تم پر پوشیدہ رہے تو اس کا اندازہ لگاؤ)

اسی طرح اور کئی احادیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ (فَعِدُّوا ثلاثین)۔ان جیسی حدیثوں میں رؤیت کی تاکید کی انتہاء کر دی گئی ہے۔پہلے تو نفی واثبات دونوں طریقوں سے فرمایا کہ چاند دیکھے بغیر روزہ رکھو ہی نہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نفی واثبات دونوں طریقوں سے کسی چیز کا حکم دیں تو وہ حکم انتہائی مؤکد ہو جاتا ہے۔اس لئے رؤیت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔اور اگر نظر نہ آئے تو کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ 29 پر رمضان شروع کر دو بلکہ کئی احادیث میں تا کیدی حکم دیا ہے کہ 30 دن پورے کرو پھر پہلی تاریخ شروع کرو۔ اب ''فَاقدِرُوالَهُ'' والی حدیث کو ''فَاقدِرُوالَهٗ ثلٰثِین اور فَاکمِلُوا العدَّة ثَلٰثِین'' والی حدیث سے ملا کر ترجمہ کریں تو اس کے علاوہ کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ چاند بادل میں چھپ جائے تو تیس دن کا حساب کر لو۔

1۔ صحیح مسلم، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الہلال، رقم الحدیث 2505

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ 29 کو ہلال بن چکا ہو اور دیکھنے کے قابل ہو اور نظر آجائے تو اس سے اگلا مہینہ شروع کردو۔ اور اگر ابھی ہلال بنا ہی نہیں اور نظر آنے کے قابل نہیں ہوا یا نظر آنے کے قابل ہو چکا ہے لیکن کہیں نظر نہیں آیا تو 30 دن پورے کرو تاکہ چاند ہلال بن جائے اور نظر آنے کے قابل ہو جائے تب اگلا مہینہ شروع کرنا اس سے قبل نہیں۔

پوری روایت درجہ ذیل ہے

”عَن اَبِي هُرَيرَةَ۔ رضي الله عنه۔ قال ذَكَر۔ رسولُ الله ﷺ الهلالَ فَقَالَ: اِذَا رَأَيتُمُوهُ فَصُومُوا وَاِذَا رَأَيتُمُوهُ فَأَفطِرُوا فَإِن اغمِيَ عَليكُم فَعُدُّو ثَلاثِينَ“[1]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہلال کا ذکر فرمایا، پھر کہا: جب تم اس کو دیکھو تو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھو تو عید مناؤ، پس اگر وہ تم سے پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔)

اب جو لوگ حسابی قاعدے سے چل رہے ہیں وہ فہمِ حدیث میں کس طرح ٹھوکریں کھا رہے ہیں؟ آپ خود اندازہ لگائیں کہ بات کا نہ سر ہے نہ پیران کے استدلال میں عقلی حیثیت ہی نہیں۔ پھر حساب بھی امکان رؤیت کا نہیں کرتے بلکہ نیو مون کا حساب کر رہے ہیں کہ پانچ دس منٹ مطلع پر چاند ٹھہرا رہے تب ہی اگلا مہینہ شروع کیا جائے حالانکہ اس وقت دنیا کے کسی خطے میں چاند کا نظر آنا، ناممکن ہے۔ کیونکہ ابھی چاند محاق سے نکل کر ہلال بنا ہی نہیں ہے۔

1۔ صحیح مسلم، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الہلال، رقم الحدیث 2569

اس کی مثال یوں ہے کہ بچہ ابھی حمل میں ہے بلکہ ابھی ابھی حمل ٹھہرا ہے تو اس کا نام کیسے رکھا جائیگا؟ اور اس کی شادی بیاہ کر دینا اور قیام وطعام کا انتظام کر دینا، پاگل پن نہیں تو اور کیا ہو گا؟ جس طرح بچے کے تمام احکامات پیدا ہونے کے بعد لگائے جائیں گے اس سے قبل نہیں۔ اسی طرح ہلال کے تمام احکامات ہلال بننے اور نظر آنے کے بعد لگائے جائیں گے اس سے قبل نہیں۔

غیر معتدل ممالک کے لئے چاند کا شرعی حکم:

چاند زمین کی چاروں طرف اپنی سالانہ گردش کے دوران مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر اور اکتوبر میں 45 ڈگری عرض البلد تک جنوب میں چلا جاتا ہے۔ اس دوران جنوب والوں کو، خطِ اوسط والوں کو اور 45 ڈگری شمالی عرض البلد تک کے ممالک کو بیس بائیس گھنٹے کے بعد چاند نظر آتا ہے۔ لیکن 45 سے 90 ڈگری شمالی عرض البلد کے جو ممالک ہیں جن کو غیر معتدل ممالک کہتے ہیں جیسے برطانیہ وغیرہ والوں کو تین دنوں اور چار دنوں تک پہلا چاند نظر نہیں آتا ہے۔ کیونکہ دو تین دنوں تک چاند سورج سے پہلے غروب ہو جاتا ہے اور خطِ اوسط کی ابھری ہوئی زمین ان ممالک کے سامنے حائل ہو جاتی ہے اس لئے چاند تین چار دنوں کے بعد تھوڑی دیر کے لئے نظر آتا ہے۔

اور ساٹھ ستّر ڈگری شمالی عرض البلد جیسے ناروے، سویڈن اور فن لینڈ والوں کو پانچ اور چھ دنوں کے بعد چاند نظر آئے گا۔ کیونکہ پانچ دنوں تک چاند سورج سے پہلے ڈوب جاتا ہے۔ پھر یہ چاند نومبر، دسمبر، جنوری، فروری، مارچ اور اپریل میں زمین کے ہٹ جانے کی وجہ سے 45 ڈگری شمالی عرض البلد تک آجاتا ہے۔ جب یہ شمالی عرض البلد تک آجاتا ہے، تو جس طرح سورج گرمی کے زمانے میں غیر معتدل علاقے برطانیہ وغیرہ میں بہت دیر تک چمکتا ہے اسی طرح چاند رؤیت کے پہلے ہی دن سوا گھنٹہ اور دو گھنٹہ تک رہتا ہے۔ جس سے عوام کو

شبہ ہوتا ہے کہ چاند شاید دو یا تین دن کا ہوگا لیکن حقیقت میں وہ پہلا ہی چاند ہوتا ہے اور پوری دنیامیں اسی دن نظر آیا ہوتا ہے اس سے قبل نہیں۔

اب جیسے سطورِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور ناروے وغیرہ غیر معتدل ممالک میں مئی سے نومبر تک چھ مہینوں میں کئی دنوں بعد چاند نظر آتا ہے۔ تو ان غیر معتدل ممالک کے مسلمان آخر کس طرح رؤیت کا فیصلہ کریں؟ کیا پانچ چھ دنوں تک چاند کے اپنے مشاہدے کا انتظار کریں؟ یا خطِ اوسط کے ممالک کے ساتھ اتحادِ مطلع کا اعتبار کر کے وہاں سے تحقیق شدّہ خبر منگوا کر رؤیت کا فیصلہ کریں؟ ان کے لئے اقوالِ آئمہ کی روشنی میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان چھ مہینوں میں یا جب بھی بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو خط اوسط کے ممالک سے محقق رؤیۃ بصری (خالی آنکھ سے دیکھنا) کی مصدقہ تحقیقی خبر حاصل کر کے قمری تاریخ شروع کرلیں۔ ایسے ممالک زیادہ موزوں ہیں جو ان کے قریب ہوں اور رؤیۃ شرعی کے پابند ہوں نہ کہ سائنسی چاند پر اکتفاء کرنے والے ہوں۔ بلاریب ان غیر معتدل ممالک کے لئے ان مہینوں میں اتحادِ مطلع کا اعتبار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے[1]۔

واللّٰہُ اعلَم وعلّمہُ اتم

[1]-اس مضمون کی تیاری میں کتابچہ رؤیۃ ہلال۔ مؤلفہ مولانا ثمیر الدین قاسمی برنلے سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے
شائع کردہ: مدرسہ تعلیم الاسلام 161 نتھسڈال روڈ گلاسکو 41

باب سوم:

اختلافِ مطالع سے متعلق علماء وفقہاء کرام کی آراء

چاند کے طلوع ہونے کی جگہ کو ''مطلع'' کہا جاتا ہے اختلاف مطالع کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں چاند کے طلوع اور نظر آنے کی جگہ اور وقت دونوں الگ الگ ہوتے ہیں۔ لہذا یہ مسئلہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ دنیا کے کسی علاقے اور حصے میں چاند نظر آجائے اور دوسری جگہ نظر نہ آئے۔اس وجہ سے دو سوالات پیدا ہوتے ہیں **ایک** یہ کہ اختلاف مطلع پایا بھی جاتا ہے کہ نہیں؟ **دوم** یہ کہ اگر پایا جاتا ہے تو اس کا شرعی طور پر اعتبار ہو گا کہ نہیں؟

اول الذکر صورت اس دور جدید میں نظری نہیں بلکہ بدیہی ہے یعنی ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ یہ بات اب مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں اور ممالک میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہیں صبح، کہیں دوپہر، کہیں سہ پہر، کہیں شام، کہیں دن اور کہیں رات ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے فرق ہر وقت کرۂ ارض پر موجود رہتا ہے۔ظاہر ہے کہ اتنے اختلاف کے موجود ہوتے ہوئے ان کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسری صورت اختلاف مطالع کا اعتبار ہو گا کہ نہیں؟ احناف کا قدیم مشہور قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے یعنی اگر مشرق کے کسی علاقہ میں چاند نظر آیا تو وہ مغربی علاقوں کے باشندوں کے لئے بھی حجت ہو گا۔اور یہی رؤیت ان کے لئے رمضان اور عید کی واضح دلیل ہو گی۔امام شافعیؒ اور کچھ دوسرے فقہاء کرامؒ کے ہاں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے ان کے نزدیک ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے حجت و دلیل نہیں ہے۔وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ایک اہم نکتہ:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نماز کے اوقات میں سب ہی اختلاف اوقات کا اعتبار کرتے ہیں اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو اور دوسری جگہ ابھی نہ ہوا ہو تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ صرف اسی بناء پر ظہر یا عشاء کی نماز آدا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے بلکہ اپنے ہاں وقت داخل ہونے کا انتظار کریں گے۔ ہو بہو یہی مسئلہ چاند کا ہے اس لئے انتہائی قرین قیاس اور عقلی بات یہی ہے کہ مطلع کا اختلاف اور اسی طریقے سے رمضان و عید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

اس بابت علماء کرام کی آراء مختلف ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں:

1۔ " أَحَدُهَا: اخْتِلَافُ الْمَطَالِعِ قَطَعَ بِهِ الْعِرَاقِيُّونَ وَالصَّيْدَلَانِيُّ. وَصَحَّحَهُ النَّوَوِيُّ فِي الرَّوْضَةِ وَشَرْحِ الْمُهَذَّبِ "[1]

(ترجمہ: پہلا قول ہے: اختلافِ مطالع، عراقیوں اور صیدلانی نے اس پر جزم کیا، اور نووی نے روضۃ اور شرح المہذب میں اس کو صحیح قرار دیا)

2۔ " ثَانِيهَا:مَسَافَةُ الْقَصْرِ قَطَعَ بِهِ الْبَغَوِيّ، وَصَحَّحَهُ الرَّافِعِيُّ وَالنَّوَوِيُّ فی شرح المسلم وبهذا قال الفورانی وامام الحرمین والغزالی والبغویؒ وآخرون من الخراسانيين وضعفه النوویؒ"[2]

---

[1]۔ شرح المہذب: ج6، ص273

[2]۔ شرح المہذب: ج6، ص273

(ترجمہ: دوسرا قول ہے: قصر کی مقدار، امام بغوی نے اس پر جزم کیا اور رافعی نے صغیر اور نووی نے شرح مسلم میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور یہی قول فورانی، امام الحرمین، غزالی، بغوی اور دیگر خراسانیوں کا ہے اور نووی نے اس کی تضعیف کی ہے)

3۔" ثَالِثُهَا: بِاخْتِلَافِ الْأَقَالِيمِ، حَكَاهُ فِي الْفَتْحِ ، وبهذا قال الصيمريُّ وآخرون"

(ترجمہ: تیسرا قول ہے: ملکوں کا اختلاف، اور یہی قول صمیری اور دیگر کا ہے)

4۔" رَابِعُهَا: أَنَّهُ يَلْزَمُ أَهْلَ كُلِّ بَلَدٍ لَا يُتَصَوَّرُ خَفَاؤُهُ عَنْهُمْ بِلَا عَارِضٍ دُونَ غَيْرِهِمْ، حَكَاهُ السَّرَخْسِيُّ".

(ترجمہ: چہارم قول جسے سرخسی نے بیان کیا، لہذا انہوں نے کہا ہے: کہ ہر اس ملک پر چاند کا حکم لازم ہوتا ہے جہاں سے چاند کا بغیر کسی رکاوٹ کے چھپ جانا متصور نہ ہوتا ہو، باقی ملکوں پر نہیں۔)

5۔"خامسها: قول ابن الماجشون المتقدم قال ابن الماجشون: لَا يُلْزِمُهُمْ بِالشَّهَادَةِ إِلَّا لِأَهْلِ الْبَلَدِ الَّذِي ثَبَتَتْ فِيهِ الشَّهَادَةُ إِلَّا أَنْ يَثْبُتَ عِنْدَ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ فَيُلْزَمَ النَّاسَ كُلَّهُمْ"[1]

(ترجمہ: پانچواں قول ابن ماجشون کا ہے، ابن ماجشون نے کہا ہے کہ: شہادت لازم نہیں ہوتی ہے مگر اس شہر والوں کے لیے جس میں

---

[1]۔ فتح الباری: ج4، ص155

شہادت ثابت ہوتی ہو، لیکن امام اعظم کے ہاں سارے لوگوں پر لازم ہے)

علامہ شوکانی نے چھٹے قول کا اضافہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

6۔" سَادِسُهَا: أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ إِذَا اخْتَلَفَتِ الْجِهَتَانِ ارْتِفَاعًا وَانْحِدَارًا كَأَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا سَهْلًا وَالْآخَرُ جَبَلًا"[1]

(ترجمہ: چھٹا قول ہے کہ لازم نہیں ہوتا ہے جب دو جہت مختلف ہو جائیں اونچائی اور نیچائی کے اعتبار سے کہ ان میں سے ایک ہموار ہو اور دوسرا پہاڑ ہو۔)

اس کے علاوہ بھی اقوال ملتے ہیں علامہ شامی نے قہستانی کے حوالہ سے ایک ماہ کی مسافت نقل کی ہے:

7-"وذكر الْقُهُسْتَانِيّ عَنْ الْجَوَاهِرِ اعْتِبَارًا بِقِصَّةِ سُلَيْمَانَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ ، فَإِنَّهُ قَدْ انْتَقَلَ كُلَّ غُدُوٍّ وَرَوَاحٍ مِنْ إقْلِيمٍ إلَى إقْلِيمٍ وَبَيْنَهُمَا شَهْرٌ. اهـ.[2]

(ترجمہ: اور قہستانی نے جواہر سے ذکر کیا کہ اس کی حد ایک مہینے کی مسافت ہے حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کا اعتبار کرتے ہوئے، اس نے کہا کہ وہ صبح اور شام ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں چلے جاتے اور ان میں سے ہر ایک کے درمیان مہینے کی مسافت ہوتی۔

[1]-شوكاني، محمد بن علي بن محمد(المتوفى: 1250ھ) نيل الأوطار، دارالحديث، مصر، 1993م، ج4ص230

[2]-ابن عابدین، شامی، ج2، ص393، باب صوم رمضان،

8۔ بعض نے مبتلیٰ بہ کی طرف محول کیا ہے، جیسا کہ محدث یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

''وحد البعد مفوض الى رأى المبتلى به وليس له حد معين''[1]

(اور دوری کی حد مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے، اور اس کے لیے کوئی حد نہیں)

9۔ بعض علماء نے ایک دن کے فرق کو اختلاف مطالع کا معیار قرار دیا ہے، اس کی جانب علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''ينبغى أن يعتبر اختلافها ان لزم التفاوت بين البلدين بأكثر من يوم واحد''[2]

(مناسب ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے اگر دو شہروں کے درمیان ایک دن سے زیادہ تفاوت لازم آئے)

شوافع کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔

''والبعد يعتبر باختلاف المطالع وهو الأصح عند الشوافع''[3]

(اور دوری اختلاف مطالع کے ساتھ معتبر ہے، اور یہی شوافع کے نزدیک زیادہ صحیح ہے)

علماء احناف میں علامہ عبد الحئی لکھنوی نے ساتویں قول کو ترجیح دی ہے۔

''وتقدیرش مسافت یک ماہ دریں صورت حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلد دیگر نخواہد'' (اگر دو شہروں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہو تو ایک کی رؤیت دوسرے کے لئے لازم نہیں ہے۔)

---

[1]- بنوری، علامہ، یوسف، معارف السنن: ج5، ص337

[2]- شبیر احمد عثمانی، علامہ، فتح الملہم، مکتبہ دار العلوم کراچی، ج3، ص113

[3]- فتح الملہم، ج6، ص6

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں علامہ ابن عبد البر مالکی کے حوالے سے اس پر اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور کئی ایک مذہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ ہر بلاد والے کے لیے ان کی رؤیت ہے صحیح مسلم میں ابن عباسؓ کی حدیث اس مذہب پر شاہد ہے، اور ابن المنذر نے یہی مذہب حضرت عکرمہ، قاسم، سالم، اور اسحاق بن راہویہ کا نقل کیا ہے، اور ترمذی نے اس کو اہل علم سے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور بات ذکر نہیں کی ہے.[1]

ماوردی نے اسی کو شافعیہ کے یہاں ایک صورت قرار دی ہے۔

"دوسرا مذہب اس کے بالمقابل ہے وہ یہ کہ جب ایک بلد میں رؤیت ہو گئی تو وہی تمام بلاد کے لیے لازم ہے، مالکیہ کے یہاں مشہور مذہب یہی ہے، لیکن علامہ ابن عبد البر مالکی نے اس کے بر خلاف اجماع نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ بلاد بعیدہ جیسے خراسان واندلس ان میں سے ایک کی رؤیت کا دوسرے کے حق میں لحاظ نہیں کیا جائے گا، یہ بات علماء کے ہاں متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے"۔

مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف مالکی علماء کا اجماع نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب کے علماء کا اجماع ہے کما ھوالمتبادر، لہذا معلوم ہوا کہ ائمہ کا عدمِ اعتبارِ اختلافِ مطالع کا مجمل قول ان بلاد قریبہ کے ساتھ مخصوص ہے جن کے افق میں نمایاں اور واضح اختلاف نہیں ہے۔

---

[1]-ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ج4، ص105

بُعدِ بلد کا پیمانہ:

1۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی مسافت چھ سواسی میل بیان کی ہے۔
2۔ علامہ شامی ہی نے کسی کا قول پانچ سواسی میل انگریزی بھی نقل فرمایا ہے۔
3۔ بعض چار سواسی میل کے قائل ہیں۔
4۔ کچھ لوگوں نے ایک ماہ کی مسافت کا پیمانہ بیان کیا۔
5۔ کسی نے تبدیل اقلیم سے تبدیل مطلع ہونا بیان کیا۔

نکتۂ عبرت:

فقہاء متقدمین کے دور میں ایک تو معلوم کائنات کی یہ وسعت دریافت ہی نہیں ہوئی تھی اور ممالک ہی کیا کئی براعظم سے دنیا بے خبر تھی پھر اس میں بھی مسلمان جزیرۃ العرب اور خلیجی علاقوں میں محدود تھے۔ اس وقت تک شاید یہ بات ممکن رہی ہو اور انکے مطلع میں اتنا فرق نہ رہا ہو کہ اسکو الگ الگ سمجھا جائے اس لئے فقہاء نے ایسا کہا ہو۔

لیکن اب تو زمانہ ترقی یافتہ ہو گیا ہے پوری دنیا بمنزلہ ایک گاؤں (Village) ہے دنیا کے چپے چپے کے حالات موسم سب کچھ انٹرنٹ پر محفوظ شدہ ہیں کوئی کیفیت اب مخفی نہیں رہی بلکہ ہر خاص و عام ان حالات سے مستفید ہو رہا ہے۔ اب اس زمانے میں اگر مغرب کی رؤیت مشرق کے لئے لازمی قرار دی جائے تو تکلیف مالا یطاق کے قبیلے سے ہو گا یعنی انسانی بس سے باہر ہو گا۔ کیونکہ 12 گھنٹے کا فرقِ اوقات ہر وقت موجود رہتا ہے اب جہاں رؤیت ہو چکی ہے وہاں رات ہے اس کے بالمقابل 180 درجے پر واقع ملک میں دن ہو گا۔ پھر اس دن والے ممالک میں کہیں سحری کا وقت ہو گا کہیں گزر گیا ہو گا اور کہیں ظہر یا عصر کا وقت ہو گا سحری کے وقت والے ممالک کے لوگ تو بوقت اعلان رؤیت ہلال سوئے ہوئے ہوں گے ان کو اطلاع کیسے ملے گی؟ بالفرض اگر کسی طریقے سے ان کو الہام ہو جائے اور رؤیت ہلال کا پتہ چل جائے روزہ بھی رکھ لیں تو کیا ان کا روزہ ایک دن پہلے وجود پذیر نہ ہوا ان ممالک سے جہاں

رؤیت ہو چکی ہے کیونکہ ان ممالک والے لوگ تو رات گزر کر آئندہ کل روزہ رکھیں گے تو پھر اتحاد امت فی الصوم والعید کا خواب کہاں گیا؟ اور اگر یہ دن والے ممالک اگلے دن کا انتظار کرتے ہیں تو پھر باقی دنیا سے ایک دن پیچھے رہیں گے اور اتحاد فی الصوم والعید پھر مفقود ہو گا فیاللعجب ؟اور جن ممالک میں بوقت اعلانِ رؤیۃ ظہر یا عصر کا وقت ہے تو کچھ کر ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ شام تک اپنی رؤیت کا انتظار کریں اور اگلے دن روزہ رکھیں۔

ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے کہنا پڑے گا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار اب بدیہی اور ضروری ہے اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ جس طرح باقی عبادات کے اوقات ہر ملک کے اپنے اپنے ہیں، رؤیت ہلال کا مطلع بھی اگر اپنا اپنا ہو جائے تو اس میں کون سی قباحت ہے ؟

البتہ خط استواء سے جانبین (شمالا جنوبًا) 48 درجے عرض بلد سے زیادہ فاصلے پر جو ممالک واقع ہیں وہ غیر معتدل کہلاتے ہیں جہاں مختلف موسموں میں چاند کبھی جلدی کبھی کئی دنوں کی تاخیر سے نظر آتا ہے۔ ان کے لئے علماء و ماہرین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے ممالک والے اپنے قریبی معتدل ممالک کے ساتھ اپنا رابطہ رکھیں اور انکی رؤیت پر عمل کریں جیسا کہ اہل یورپ اور کینیڈا والے مراکش، مصر، سعودی عرب وغیرہ ممالک کی رؤیت پر عمل کرتے ہیں اور یہ ممکن بھی ہے کیونکہ ان ممالک کے اوقات میں دن رات کا فرق نہیں بلکہ چند گھنٹوں کا ہے جو کہ قابل عمل ہے یعنی ان ممالک کی آپس میں پورے دن رات کی تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ ایک ہی ترتیب ہے صرف دن رات کے اوقات میں تھوڑا فرق ہے۔

مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے اس موضوع پر مفصل بحث کرنے کے بعد جو جچا تلا فیصلہ کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

> ''اصح المذہب عقلا و نقلا ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ مابین آنہا مسافتے باشد کہ در آں اختلاف مطالع میشود و تقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رؤیت یک بلد بہ بلد دیگر نخواہد شدہ و در بلاد متقاربہ

کہ مسافت کم از یک ماہ داشتہ باشد حکم رؤیۃ یک بلد بہ بلد دیگر لازم خواہد باشد۔"

ترجمہ۔ عقل و نقل ہر دو لحاظ سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطالع بدل جائیں جن کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں ہونی چاہئے اور قریبی شہروں میں جنکے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ایک شہر میں رؤیت دوسرے شہر کے لئے لازمی اور ضروری ہوگی۔[1]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل متوازن اور قرین عقل ہے البتہ اختلاف مطالع کی حدیں متعین کرنے میں ایک ماہ کی مسافت کی قید کی بجائے جدید ماہرین فلکیات کے حساب اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔

[1]۔ مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، ج 1، صفحہ 255-256

اختلافِ مطالع میں فقہائے احناف کا نقطۂ نظر

فقہاء احناف میں بھی متأخرین نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے بڑی بڑی مستند کتب سے بڑے بڑے معتمد علماء کرام کے نظریات باحوالہ پیش خدمت ہیں۔

1۔ علامہ شرنبلالیؒ مراقی الفلاح کے مصنف لکھتے ہیں:

وَقِيْلَ يَخْتَلِفُ ثُبُوتُه بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ وَاخْتَارَهٗ صَاحِبُ التَّجْرِيْدِ وَغَيْرِه كَمَا اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عِنْدَ قَوْمٍ وَغَرَبَتْ عِنْدَ غَيْرِهِمْ فَالظُّهْرُ عَلَى الْاَوَّلِيْنَ لَاالْمَغْرِبِ لِعَدَمِ اِنْعِقَادِ السَّبَبِ فِيْ حَقِّهِمْ ۔[1]

(ترجمہ =بعض حضرات کی رائے ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے رؤیت ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ تجرید القدوری کے مصنف نے اسی کو ترجیح دیا ہے جیسا کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں آفتاب ڈھل جائے اور دوسروں کے ہاں غروب ہو جائے تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب اس لئے کہ ان کے حق میں مغرب کا سبب متحقق نہیں ہوا ہے۔ یعنی ثابت نہیں ہوا ہے۔)

2۔ محدث علامہ زیلعیؒ نے کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے انھوں نے اختلاف مطالع کی بحث میں فقہاء احناف کا اختلاف نقل کرنے کے بعد خود جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے:

---

[1]-مراقی الفلاح، بولاق مصر، 432

وَالْأَشْبَهُ أَنْ يُعْتَبَرَ لِأَنَّ كُلَّ قَوْمٍ مُخَاطَبُونَ بِمَا عِنْدَهُمْ وَانْفِصَالُ الْهِلَالِ عَنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَقْطَارِ كَمَا أَنَّ دُخُولَ الْوَقْتِ وَخُرُوجَهُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَقْطَارِ "[1]

ترجمہ: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے اس لئے کہ ہر جماعت اس کی مخاطب ہوتی ہے جو اس کو درپیش ہو اور چاند کا سورج کی کرنوں سے خالی ہونا مطالع کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے جیسا کے نمازوں کے اوقات دخول و خروج کے لحاظ سے علاقائی اختلاف کی بناء پر مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

3۔ فتاوی تاتارخانیہ میں بھی اختلافِ مطالع کو تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ اس میں لکھا گیا ہے:

"اَهْلُ بَلْدَةٍ رَأَوُا الْهِلَالَ هَلْ يَلْزِمُ ذٰلِكَ فِيْ حَقِّ أَهْلِ بَلْدَةٍ أُخْرىٰ؟ اِخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيْهِ۔ بَعْضُهُمْ قَالُوْا: لَايَلْزِمُ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ فِيْ حَقِّ كُلِّ بَلْدَةٍ رُؤْيَتَهُمْ۔ وَ فِي الْخَانِيَّةِ لَاعِبْرَةَ لِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ۔ وَفِي الْقُدُوْرِى (اِذَاكَانَ بَيْنَ الْبَلْدَتَيْنِ تَفَاوُت لَايَخْتَلِفُ الْمَطَالِعُ لَزِمَ حُكْمُ أَهْلِ الْبَلْدَةِ لِلْأُخْرىٰ، فَأَمَّا اِذَا كَانَ تَفَاوُت يَخْتَلِفُ الْمَطَالِعَ) لَمْ يَلْزِمْ حُكْمُ اِحْدىٰ الْبَلْدَتَيْنِ اَلْبَلْدَةِ الْاُخْرىٰ۔[2]

(ترجمہ: ایک ملک والے جب چاند دیکھ لیں تو کیا دوسرے ملک والوں کے حق میں رؤیت لازم ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض

[1]-زيلعي ،عثمان بن علي بن محجن (المتوفى: 743 ھ) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق، القاهرة، ج1،ص321

[2]-الفتاوى التاتارخانية، مكتبه ادارة القرآن كراچى، كتاب الصوم- رؤية الهلال، ج2،ص355

لوگوں کی رائے ہے لازم نہیں ہو گی۔ اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں کے درمیان ایسا فرق ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو اس صورت میں رؤیت لازم ہو گی۔ اور اگر مطلع تبدیل ہوتا ہو تو پھر لازم نہ ہو گی۔)

4- طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

"قَوْلُهُ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ صَاحِبُ التَّجْرِيْدِ وَهُوَ الْاَشْبَهُ لِأَنَّ انْفِصَالَ الْهِلَالِ عَنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَقْطَارِ كَمَا فِيْ دُخُوْلِ الْوَقْتِ وَخُرُوْجِهِ وَهَذَا مُثْبَت فِيْ عِلْمِ الْاَفْلَاكِ وَالْهَيْئَةِ وَاَقَلُّ مَا اِخْتَلَفَ بِهِ الْمَطَالِعُ مَسِيْرُ شَهْرٍ كَمَا فِي الْجَوَاهِرِ"[1]

ترجمہ:۔ جیسا کہ تجرید والے کا خیال ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے کہ چاند کا سورج کی کرنوں سے جدا ہونا علاقوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ اوقات کا اختلاف ہوتا ہے اور یہ بات علم فلکیات میں ثابت شدہ ہے۔ اور کم سے کم جہاں اختلاف مطالع کا اعتبار ہوتا ہے وہاں دونوں علاقوں کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہونی چاہیے۔ جیسا کہ جواہر میں موجود ہے.

5۔ صاحب ہدایہ کے ہاں بھی اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے، آپ مختار النوازل میں لکھتے ہیں:

اَهْلُ بَلْدَةٍ صَامُوْا تِسْعَةَ وَعِشْرِيْنَ يَوْماً بِالرُّؤْيَةِ وَاَهْلُ بَلْدَةٍ اُخْرٰى صَامُوْا ثَلٰثِيْنَ بِالرُّؤْيَةِ فَعَلَى الْاَوَّلِيْنَ قَضَاءُ يَوْمٍ اِذَا لَمْ يَخْتَلِفِ الْمَطَالِعُ بَيْنَهُمَا وَاَمَّا اِذَا اِخْتَلَفَ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ۔

1- طحطاوی، ط، بولاق مصر، ج6، ص4

ترجمہ:۔ایک ملک والوں نے اپنی رؤیت ہلال کے مطابق 29 روزے رکھے، اور دوسرے ملک والوں نے اپنی رؤیت ہلال کے مطابق 30 روزے رکھے۔ اگران دونوں ملکوں کے درمیان اختلافِ مطالع نہیں ہے تو پہلے ملک والوں پر ایک روزے کی قضاء لازم ہے، اور اگر اختلاف مطالع ہے تو پھر قضاء لازم نہیں ہے۔

6-سب سے بڑھ کر حدیث کریبؓ ایک ایسی دلیل ہے کہ جس سے مطلق اختلاف مطالع کا معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

"أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، أَنَّ أُمَّ الفَضْلِ بِنْتَ الحَارِثِ، بَعَثَتْهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ، فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا، وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ، فَرَأَيْنَا الهِلَالَ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ، ثُمَّ قَدِمْتُ المَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَ الهِلَالَ، فَقَالَ: مَتَى رَأَيْتُمُ الهِلَالَ، فَقُلْتُ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَأَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الجُمُعَةِ؟ فَقُلْتُ: رَآهُ النَّاسُ، وَصَامُوا، وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، قَالَ: لَكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ، فَلَا نَزَالُ نَصُومُ حَتَّى نُكْمِلَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا، أَوْ نَرَاهُ، فَقُلْتُ: أَلَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ، قَالَ: لَا، هَكَذَا «أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» [1]

ترجمہ:۔ حضرت کریب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام فضل نے ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف شام بھیجا، وہ فرماتے ہیں

---

[1]-سنن ترمذی ، بَابُ مَا جَاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ ،حدیث نمبر: 693

کہ میں نے ان کی ضرورت پوری کر دی ،شام میں جمعہ کی رات چاند دیکھا گیا پھر میں مہینہ کے آخر میں مدینہ منورہ آیا، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے رمضان کا چاند کب دیکھا تھا؟ تو میں نے کہا جمعہ کی رات ہم نے چاند دیکھا تھا، توانہوں نے پوچھا کہ آپ نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! اور سب لوگوں نے بھی دیکھا، وہاں (شام میں) سب نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے یہاں ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے اور ہم مسلسل روزے رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم ۳۰ روزے پورے کر لیں یا چاند دیکھ کر عید منائیں، تو میں نے کہا کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ کی رؤیت اور روزے آپ کے لئے کافی نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے۔

(اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں مطلع بدل جانے کا اعتبار کیا گیا ہے۔)

7۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مصفّٰی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں :

''اگر ہلال دریک شہر دیدہ شد و دیگر شہر تفحص کردند و نہ دیدند اگر آں شہر قریب است لازم است حکم رؤیۃ ایشاں اگر بعید است لازم نیست۔ ''

ترجمہ :۔ اگر ایک شہر میں چاند دیکھا گیا اور دوسرے شہر والوں نے کوشش کی لیکن نہ دیکھ سکے جبکہ وہ شہر اس شہر کے قریب ہو تو یہی رؤیت ان کے لئے کافی ہے، اور اگر وہ شہر دور ہو تو ان پر پہلے شہر والوں کی رؤیت لازم نہیں ہے۔

پس ان عبارات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اکثر علماء کرام اختلاف مطالع کو معتبر سمجھتے ہیں اور یہ ایک بے غبار یعنی واضح حقیقت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض علماء کرام، فقہاء احناف کے اس اختلاف کو یکسر نظر انداز کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ علماء حنفیہ کا ''عدمِ اعتبارِ اختلافِ مطالع'' پر اتفاق ہے۔ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام دنیا میں ایک ہی دن روزہ اور عید ہو، تاکہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد رہے اور عملی یکجہتی کا نمونہ پیش ہو سکے۔ حالانکہ یہ نظریہ محال کو ممکن بنانے کے مترادف ہے جو کہ **ممتنع** ہے یعنی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ زمین گول ہونے کی بدولت پوری سطح ارض پر بیک وقت رات اور دن نہیں آسکتے ہیں بلکہ زمین کا بالائی حصہ جو سورج کے سامنے آتا ہے وہاں طلوع شمس ہوتا ہے اور نچلا حصہ جو سورج سے پردے میں چلا جاتا ہے، وہاں غروب شمس ہو جاتا ہے۔ 24 گھنٹے مسلسل کہیں طلوع کہیں غروب ہوتا ہے۔ **خلاصۂ کلام** یہ ہے کہ نصف کرے پر ہر وقت دن ہوتا ہے اور نصف کرے پر رات ہوتی ہے یعنی انتہائی مشرق اور انتہائی مغرب میں زیادہ سے زیادہ 12 گھنٹے فرق موجود رہتا ہے۔

کیا ساری دنیا میں ایک ہی دن عید ہو سکتی ہے؟

بالفرض ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں ایک ملک کو معیار بنا لیتے ہیں اور وہاں جب رویت ہلال ثابت ہو جائے تو اس کی روشنی میں پوری دنیا کے لیے اعلانِ عید کرتے ہیں تاکہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب پوری دنیا کے مسلمان ایک دن اتفاقاً عید منائیں اور یوں اتحادِ ملت کا خواب پورا ہو سکے۔ تو کیا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایں خیال است و محال است و جنون۔

چلیے! سعودی عرب جو تمام مسلمانوں کا ایک مرکزی مقام ہے اور جغرافیائی لحاظ سے بھی مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ یہاں رویت ہلال بھی مشرقی ممالک کی نسبت ایک دن پہلے ہوتی ہے۔ اسی ملک کو معیار مان لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

مثال کے طور پر بنگلہ دیش، کہ 90 درجے مشرقی طول بلد پر اس کا معیاری وقت (Standred Time) ہے، وسطی امریکہ جو کہ 90 درجہ مغربی طول بلد پر ہے اور سعودی عرب کے معیاری وقت کا تعلق 45 درجے مشرقی طول بلد سے ہے۔ اب 15 جنوری کو اگر بنگلہ دیش میں شام کے 6 بجے ہیں تو وسطی امریکہ میں صبح کے 6 بجے ہوں گے اور سعودی عرب میں دن کے 3 بجے ہوں گے۔ اسی شام تقریباً 5 بجے سعودی عرب میں چاند نظر آگیا اور اعلان ہوا کہ دنیا کے گوشے گوشے کے تمام مسلمان کل 16 جنوری کو عید منائیں گے۔ اب بنگلہ دیش والے تو منا سکیں گے کیونکہ بوقت اعلان رات 8 بجے ہوں گے۔ اگلے دن 16 جنوری کو عید ہو جائے گی لیکن وسطی امریکہ کے مسلمان کیا کریں گے؟ بوقت اعلان وہاں دن کے 8 بجے ہوں گے اور تاریخ 15 جنوری ہو گی۔ اب اگر وہ لوگ اسی دن 15 جنوری کو عید مناتے ہیں تو لازماً ایک دن تقدیم ہو گی اور اگر اگلے دن کا انتظار کرتے ہیں تو کس اصول پر؟ کیونکہ رؤیت ہلال ہو چکی ہے۔ پوری دنیا کے لیے اعلانِ عید ہو گیا ہے، یہاں امریکہ میں سورج چمکتا دمکتا ہے تو پھر عید نہ منانا چہ معنی دارد؟ اور اگر انتظار کر بھی لیں تو ''اتحاد فی العید'' پھر بھی مفقود ہو گا۔ اس لئے کہ بوقت اعلان مشرقی ممالک میں عید کی رات ہو گی اور مغربی ممالک میں عید کا دن ہو گا نہ رات ہو گی۔ 12 گھنٹے بعد مشرقی ممالک میں 16 جنوری کو عید کا دن ہو گا اور مغربی ممالک میں عید کی رات ہو گی۔ اب دن اور رات کی مناسبت کیا ہے؟ پھر 12 گھنٹے کے بعد مشرقی ممالک سے عید تو آٹے سے بال کی طرح نکل گئی لیکن مغربی ممالک میں تاحال عید کی خوشیاں جاری ہوں گی۔ ذرا انصاف سے کہیے کیا یہی اتحاد فی العید اور اتفاق امت ہے؟ بلاریب اسی کو کہتے ہیں ''رنگی کو نارنگی'' اور ''نام کافور برائے زنگی۔'' لہٰذا برائے کرم حقائق کا انکار مت کیجئے۔ اختلاف مطالع جو کہ ایک بدیہی حقیقت ہے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ اکابر احناف کے تین نظریوں میں سے دو نظریے اعتبارِ اختلاف مطالع کے حق میں ہیں تو کیوں نہ اپنے اکابر کے اس نظریے کو اپنائیں جو کہ عقل اور نقل دونوں کے مطابق ہے۔

بعض علماء کرام، حدیث کریبؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور ایک آدمی کی گواہی پر اہل مدینہ نے عمل نہیں کیا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا گیا۔ تو مؤدبانہ عرض ہے کہ چلیں یہ خبر واحد ہے کیا اس کے مقابلے میں بھی کوئی حدیث ہے۔ جس سے اس حدیث کی تردید ہو جائے اور اختلاف مطالع کے اعتبار کا خیال ترک کیا جائے۔ میرے محدود علم کے مطابق نہ کوئی حدیث اس قسم کی ملے گی اور نہ کوئی آیت قرآنی جس میں اعتبار اختلافِ مطالع کی تردید ہو۔

اگر کوئی کہے کہ حدیث شریف ''صوموا لرُؤ یته ''حکم عام ہے اکناف عالم کے مسلمانوں کے لیے۔ اس لیے کہیں بھی رؤیت ہو جائے گی تو حکم سب پر لاگو ہو جائے گا تو ہم بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ قرآن کریم میں فرمان خداوندی ہے: ''اتموا الصیام الی اللیل''۔اب کیا مشرقی ممالک والے سعودی عرب میں رات ہونے تک انتظار کریں گے اور مغربی ممالک والے روز روشن میں افطار کریں گے کہ چلو سعودی عرب میں تو رات ہو گئی ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ اپنے اپنے علاقوں میں رات ہوتے ہی افطار کریں گے۔ اسی طرح اوقاتِ نماز میں اتحاد نہیں ہے بلکہ ہر ملک اور منطقہ کے اپنے اپنے اوقاتِ نماز ہیں۔ کہیں صبح کی نماز ہوتی ہے، کہیں ظہر کی، کہیں عصر اور کہیں شام کی۔

اختلافِ مطالع کی حکمت:

بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسی اختلاف مطالع میں بڑی حکمتِ خداوندی ہے کہ ہر پل اور لمحہ دنیا کے چپے چپے میں خدا کی عبادت ہوتی رہے۔ 24 گھنٹے مسلسل کہیں طلوع، کہیں غروب، کہیں اشراق، کہیں زوال، بندگان خدا بلا انقطاع مسلسل یادِ الٰہی میں شاغل و شاغف رہتے ہیں۔ اگر مقصد خداوندی اتحادِ اوقاتِ عالم ہوتا، نماز روزہ اور عید کا تمام دنیا میں بیک وقت اہتمام مطلوب ہوتا تو زمین کو گول کروی شکل میں نہ بناتے بلکہ شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً ایک بہت ہی وسیع کھلا میدان تخلیق فرماتے۔ اس پورے میدان پر یکبارگی طلوعِ شمس ہوتا اور

غروب آفتاب ہوتا۔ مشرقی و مغربی ممالک میں ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہوتا بلکہ تمام انسان ایک ہی وقت پر نماز پڑھتے، روزے رکھتے وافطار کرتے اور عید مناتے۔ ہمیں اتحاد فی الملتہ کے لیے اتنے پاپڑ نہ بیلنے پڑتے۔ لیکن کیا کیجیے! جیسے ذاتِ الٰہی عقل و فہم سے وراءالوراء ہے، ایسے ہی ان کے تکوینی امور بھی سمجھ سے بالا ہیں۔ اٰمنّاو صدقنا کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

علاوہ ازیں مملکتِ پاکستان میں احناف، اہلِ حدیث (غیر مقلدین) اور شیعہ وغیرہ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام موجود ہیں۔ ان ہی کے مشورہ سے حکومت پاکستان نے چیدہ چیدہ علماء کرام پر مشتمل رؤیت ہلال کمیٹی بنائی ہے۔ یہاں کا قمری کیلنڈر باقاعدہ ان کی رؤیت اور شہادت کے مطابق جاری و ساری ہے۔ اور ان کے اعلان پر ملک کے طول و عرض میں روزے رکھے اور افطار کئے جاتے ہیں جس کا مغربی ممالک کے ساتھ کبھی اتحاد نہیں رہا بلکہ یہاں عید عموماً ایک دن بعد منائی جاتی ہے۔ بلاچوں وچراں تمام مسالک والے اس فیصلے پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ بعض علاقوں میں قومیت اور لسانیت کی بناء پر اگر دو تین فیصد لوگ رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے انحراف کریں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں کیونکہ ''قلیل بلا دلیل'' کے فیصلوں کا کثیر باتدبیر کے فیصلوں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا بلکہ قلیل خود بخود ھباءً منثورًا کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں ''شاذ'' کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اب اگر اکابر احناف کا عدمِ اعتبار اختلافِ مطالع پر اتفاق ہوتا تو یہ علماء کرام اپنے آئمہ کے اس فیصلے سے کیونکر روگردانی کرتے؟ بلکہ یہاں مستقل رویت ہلال کمیٹی بنانے کی بجائے مرکزِ اسلام سعودی عرب کی رویت پر اکتفاء کرتے۔ اس عدم اکتفاء سے یہ بات مترشح ہوتی ہے۔

کہ اکابر احناف کے اس مسئلے میں تین اقوال ہیں:

(1) عدمِ اعتبار مطلقاً

(2) اعتبار مطلقاً

(3) ممالکِ بعیدہ میں اعتبار اور قریبہ میں عدمِ اعتبار۔

تعاملِ علماء اور فقہاء سے پتہ چلتا ہے کہ اجماعِ امت قول ثالث پر ہے۔ واللہ اعلم

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء کا فیصلہ

(منعقدہ 4،3 مئی 1967)

پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے اہلِ علم کی رائے رؤیت ہلال کے بارے میں کیا ہے۔ اس کے لیے ہمیں وہاں کے مؤقر علمی دینی ادارے ''ندوۃ العلماء''لکھنو کے زیر اہتمام مجلس تحقیقات شرعیہ کی حاصلِ تحقیق پر غور کرنا چاہیے۔ اس مجلس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام اور نمائندہ شخصیتوں نے مل کر رؤیت ہلال مسئلہ کی بابت جو فیصلہ کیا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

1- نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے بلکہ اختلاف مطالع مسلم ہے۔ یہ ایک واقعی چیز ہے اس میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

۔

2- البتہ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں کہ صوم اور افطار صوم کے باب میں یہ اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں ؟ محققین احناف اور علماء امت کی تصریحات اور ان کی دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلاد بعیدہ میں صوم وافطار کے باب میں بھی اختلافِ مطالع معتبر ہے

۔

3- بلاد بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو کہ عادۃً ان کی رؤیت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہے ایک شہر میں ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور دوسرے میں ایک دن بعد۔ ان بلاد بعیدہ میں اگر ایک کی رؤیت دوسرے کیلئے لازم کر دی جائے تو مہینہ کسی جگہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا اور کسی جگہ ۳۰ دن کا قرار پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے

4- بلاد قریبہ وہ شہر ہے جن کی رؤیت میں عادۃ ایک دن کا فرق نہیں ہوتا۔ فقہاء ایک ماہ کی دوری کو جو تقریبا پانچ چھ سو میل (فضائی) ہوتا ہے بلاد بعیدہ قرار دیتے ہیں اور اس سے کم کو بلاد قریبہ، مجلس اس سلسلے میں ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع کتنی مسافت پر بدلتا ہے؟ اور کن کن ملکوں کا مطلع ایک ہے۔

5- ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلا نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے علماء ہند و پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعدِ مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو اس بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا ان دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہو گا ۔

6- مصر اور حجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہند و پاک کے مطلع سے علیحدہ ہے یہاں کی رؤیت ان ملکوں کے لئے اور ان ملکوں کی رؤیت یہاں کے لئے ہر حالت میں لازم اور قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ ان میں اور ہند و پاک میں اتنی دوری ہے کہ عموما ایک دن کا فرق ان میں واقع ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں رؤیت ہلال کے فیصلے کے لئے قانونی نظام

برطانوی قبضے کے دور میں ان علاقوں میں جواب پاکستان کا حصہ ہیں رؤیت ہلال کے فیصلوں کے لیے دو طرح کا نظام رائج رہا۔ جن علاقوں میں مسلمانوں کی مرکزیت کسی طرح قائم رہی جیسے ریاست سوات یا ریاست دیر وہاں عوام حکومتی فیصلے ہی کی پابندی کرتے رہے۔ جہاں ایسی مرکزیت باقی نہیں رہی تھی ان علاقوں میں عوام رمضان و عیدین کے متعلق اپنے معتمد علماء کرام کے فیصلوں کی پابندی کرتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد ابتداء میں پاکستانی حکومتوں میں رؤیت ہلال کے مسئلے کو اسی طرح نظر انداز کیے رکھا اور اس وجہ سے اب جب کہ یہ مختلف علاقے ایک ہی ریاست کا حصہ بن گئے تھے اور ملک کے ایک بازو اور دوسرے بازو (یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان) میں اختلاف مطالع کا مسئلہ اٹھا تھا رؤیت ہلال پر اختلاف کافی الجھنوں کا باعث بن گیا۔ 1954ء میں علماء کرام نے ایک طویل مباحثے کے بعد اس مسئلے پر کسی حد تک اتفاق رائے کی منزل حاصل کرلی لیکن اس فتوے کو ریاستی سطح پر عملاً نافذ کرنے کے لیے کوئی مناسب اقدام نہیں اٹھایا گیا۔

جنرل ایوب خان کے مارشل لاء کے دور میں جہاں دیگر معاملات میں ریاست نے "ترقی پسند" اور "جدید" اسلام کا ماڈل پیش کرنا چاہا وہیں رؤیت ہلال کے مسئلے پر بھی ایسے فیصلے کیے جن کی وجہ سے عوامی سطح پر بھی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا۔ ریاستی اور حکومتی سطح پر رؤیت ہلال کے فیصلے کے لئے باقاعدہ اور سنجیدہ کوشش ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور میں ہوئی اور اس کے نتیجے میں جو نظام قائم کیا گیا معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اب بھی پاکستان میں وہی نظام قائم ہے۔

حکومت کی طرف سے رویت ہلال کے لیے قانونی نظام کی تشکیل [1]

قومی اسمبلی نے 23 جنوری 1974ء کو ایک قرارداد کے ذریعے ایک کمیٹی تشکیل دی جسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ رمضان اور عیدین کے لیے رؤیت ہلال کا فیصلہ کرے تاکہ عام طور پر ان مواقع پر جو اختلاف پیدا ہوتا رہا ہے اس کا خاتمہ کیا جاسکے۔

پہلی کمیٹی کے ارکان

اس کے بعد 12 فروری 1974ء کو درجہ ذیل نو شخصیات کو اس کمیٹی میں شامل کیا گیا:

مولانا احتشام الحق تھانوی

مولانا مہدی حسن علوی

مولانا عطاء اللہ حنیف

مولانا سید محمود احمد رضوی

مولانا محمد ایوب جان بنوری

صاحبزادہ کرم شاہ الازہری

مولانا عبد الغفور

مولانا عارف اللہ شاہ قادری

پیر قاسم جان سرہندی مجددی

---

[1] ۔اس موضوع کے لیے مواد وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی میں اسسٹنٹ ڈائیریکٹر جناب محبوب عثمان صاحب نے فراہم کیا۔

کمیٹی کے لیے قواعد وضوابط:

یہ طے کیا گیا کہ وفاقی وزیر برائے امور حج واوقاف اس کمیٹی کا پہلا اجلاس بلائیں گے۔اسی محکمے کے سیکرٹری کو اس کمیٹی کا بھی سیکرٹری بنادیا گیا۔اس کے علاوہ قرار دیا گیا کہ محکمہ موسمیات کے ڈائریکٹر اوران کے علاوہ دیگر ماہرین، کمیٹی کی مدد کے لیے دستیاب ہوں گے۔ کمیٹی کی میٹنگ کے لیے پانچ ارکان کا کورم[1] مقرر کیا گیا۔ کمیٹی کے ارکان کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو اکثریتی ووٹ کے ذریعے ایک سال کے لیے چیئرمین منتخب کرے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ پھر ہر سال اسی طرح نئے چیئرمین کا انتخاب ہوگا۔ کمیٹی کی میٹنگ کے بارے میں طے ہوا کہ وہ قمری مہینے کی انتیس تاریخ کو ہوگی لیکن جگہ اور وقت کی تعیین کا اختیار چیئرمین کو دیا گیا۔اس کے علاوہ چیئرمین کسی فوری نوعیت کے مسئلے میں جب مناسب سمجھے، میٹنگ بلا سکتا تھا۔

میٹنگ کا ایجنڈا طے کرنے کا اختیار چیئرمین کو دیا گیا لیکن ارکان یہ کر سکتے تھے کہ جس امر یا مسئلے کو وہ میٹنگ میں بحث کرنے کے لیے رکھنا چاہتے تھے اس کے بارے میں کمیٹی کے سیکرٹری کو بھیج سکتے تھے جو چیئرمین کے فیصلے سے اسے میٹنگ کے ایجنڈا میں شامل کر سکتا تھا۔ فیصلوں کے بارے میں یہ اصول طے ہوا کہ تمام فیصلے "شریعت کے احکام کی روشنی میں اکثریتی ووٹ کے ذریعے ہونگے"۔ تاہم عملاً چونکہ کمیٹی کے فیصلے کے اعلان کا اختیار صرف چیئرمین کو حاصل رہا تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ فیصلے میں سب سے اہم کردار ہمیشہ چیئرمین ہی کا رہا ہے۔ میٹینگ کے منٹس (حاصل نشست) ریکارڈ کرنے کی ذمہ داری سیکرٹری کو دی گئی جن کی چیئرمین سے توثیق کے بعد انہیں ارکان میں تقسیم کیا جاتا۔ یہ منٹس عام لوگوں

---

[1]۔ کُورم سے مراد ارکان کی وہ کم سے کم تعداد ہے جن کی موجودگی میں میٹنگ کی جا سکتی ہے۔اس تعداد سے کم ارکان ہوں تو میٹنگ نہیں ہو سکتی۔

کے لیے نہیں ہوتے اور انہیں "صیغہ راز" میں رکھا جاتا لیکن چیئر مین کی اجازت سے ان میں مذکور فیصلوں کو سیکرٹری مشتہر کرا سکتا تھا۔ کمیٹی کے فیصلوں کے متعلق تمام ارکان پر ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ رمضان و عیدین کے متعلق حکومت کی کاوشوں کے موثر نفاذ کو یقینی بنائیں۔ صرف اکثریتی ووٹ کے ذریعے ہی ان قواعد اور ضوابط میں تبدیلی لائی جاسکتی تھی۔ واضح رہے کہ اس پہلی رویت ہلال کمیٹی کی مدت ایک اسلامی سال تھی۔

بعد میں کی گئیں تبدیلیاں:

1974ء سے 1987ء تک کمیٹی کے ارکان کی تعداد 9 ہی رہی۔ پہلی دفعہ اس تعداد میں اضافہ 1988ء میں کیا گیا جب ارکان کی تعداد 13 کر دی گئی۔ اس کے بعد ارکان کی تعداد میں کمی بیشی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ 2015ء میں ارکان کی تعداد 26 تک پہنچ گئی۔[1] ابتداء میں صرف مرکزی سطح پر کمیٹی قائم کی گئی۔ تاہم بعد میں صوبائی سطح پر اور پھر ضلع کی سطح پر بھی زونل کمیٹیاں بنائی گئیں لیکن فیصلے کا اختیار مرکزی کمیٹی ہی کے پاس رہا۔

اسی طرح ابتداء میں کمیٹی کو صرف محکمہ موسمیات کی مدد ہی دستیاب رہی لیکن اب درج ذیل ادارے اور افراد بھی کمیٹی کی مدد کرتے ہیں:

پاکستان فضائیہ:

پاکستانی بحریہ:

---

[1]- وزارت مذہبی امور کے ریکارڈ کے مطابق ان 26 افراد میں پنجاب سے آٹھ، سندھ سے گیارہ، بلوچستان سے تین، کے پی کے سے دو اور تکنکی ارکان دو ہے؛ جب مسلکی بنیاد پر ان میں ایک شیعہ، 3 اہل حدیث، 9 دیوبندی اور 11 بریلوی ہیں۔ واضح رہے کہ 2016ء میں مفتی عبدالقوی کی برطرفی کے بعد یہ تعداد 25 رہ گئی ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ خیبر پختونخواسے، جہاں سے رویت کے متعلق ہر سال جھگڑا اٹھتا ہے، صرف دو 2 ارکان ہیں اور سندھ جہاں سے کبھی جھگڑا نہیں اٹھا وہاں سے گیارہ ارکان ہیں؟ اسی طرح پنجاب کے ارکان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ نیز اکثریتی ووٹ سے صرف فیصلے والا قاعدہ بھی اب پامال ہو چکا ہے۔

سپارکو:

محکمہ موسمیات مع 40رصد گاہیں:

صوبائی محکمہ ہائے اوقات:

تمام ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹنگ آفیسرز (ڈی سی اوز)

اور وزارت اطلاعات و نشریات۔

ابتداء میں کمیٹی کا کام صرف رمضان اور عیدین کا فیصلہ کرنا تھا لیکن بعد میں محرم ،ربیع الاول اور شعبان کے فیصلے کا اختیار بھی کمیٹی کو دیا گیا اور اب یہ اسلامی سال کے تمام مہینوں کا فیصلہ کرتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسمبلی کی قراداد میں کمیٹی کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی تھی لیکن بعد میں اس میں اضافہ کر کے اسے تین سال کر دیا گیا[1] ایک اور اہم بات یہ ہے کہ وزارت نے دیوبندی، بریلوی تقسیم کو مد نظر رکھتے ہوئے کوشش کی کہ دونوں گروہ سے باری باری چیئر مین لیے جائیں۔

رؤیت ہلال کمیٹی کے سربراہان:

کمیٹی کے چیئر مین کون کون رہے؟ ذیل کا نقشہ اس سوال کا جواب دیتا ہے اور جواب یقیناً بہت دلچسپ ہے۔

نمبر	نام	شہر	مسلک	سال
1	مولانا احتشام الحق تھانوی	کراچی	دیوبندی	1974ء
2	مولانا سید محمود احمد رضوی	لاہور	بریلوی	1978ء
3	پیر کرم شاہ الازہری	بھیرہ	بریلوی	1984ء

1- ہمارے ہاں یہ غلط فیصلہ تھا اور پہلا نظام کہ ہر سال ارکان اپنے میں سے ایک نیا چیئر مین منتخب کرتے وہی بہتر نظام تھا۔

4	مولانا مصطفی قاسمی	حیدر آباد	دیوبندی	1987ء
5	مولانا سراج احمد دینپوری	رحیم یار خان	دیوبندی	1989ء
6	مفتی محمد حسین نعیمی	لاہور	بریلوی	1991ء
7	مفتی ظفر علی نعمانی	کراچی	بریلوی	1992ء
8	مولانا ارشاد الحق تھانوی	کراچی	دیوبندی	1994ء
9	مولانا محمد عبداللہ	اسلام آباد	دیوبندی	1997ء
10	مولانا محمد اطہر نعیمی	کراچی	بریلوی	1998ء
11	مفتی منیب الرحمٰن	کراچی	بریلوی	2001ء تا حال (2020)

کمیٹی کے چیئرمین اور ارکان کو حاصل مراعات:

اخبارات اور میڈیا میں اگرچہ اس ضمن میں بہت کچھ مبالغہ آرائی ہوتی رہی ہے لیکن وزارت مذہبی امور کی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ میٹنگ کے موقع پر سرکاری ریٹس کے مطابق چیئرمین اور ارکان کو معمولی اعزازیہ ادا کیا جاتا ہے۔

چیئرمین اور ارکان کو میٹنگ میں شرکت کے لیے بیسویں گریڈ کے سرکاری افسر کی سطح کی ٹی اے، ڈی اے اور رہائش کی سہولت فراہم کی جاتی ہے،اس کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کو ایک ہزار روپے ٹیکسی کے لئے خرچہ (اگر میٹنگ کے لئے سرکاری گاڑی نہ دی گئی ہو) ایک رات کے کھانے کا خرچہ دو ہزار پچاس روپے اور ایک رات ہوٹل میں رہائش کا خرچہ چھ ہزار ایک سو پچاس روپے ادا کیا جاتا ہے، زونل کمیٹی کے مقامی ارکان کو پانچ سو روپے ٹیکسی کا خرچہ ادا کیا جاتا ہے (اگر میٹنگ کے لئے سرکاری گاڑی نہ دی گئی ہو)۔ ضلع کی سطح پر کمیٹی کے ارکان رضاکارانہ طور پر کام کرتے ہیں اور انھیں کوئی ٹی اے، ڈی اے ادا نہیں کیا جاتا۔

تعیناتی اور برطرفی کا اختیار:

جیسا کہ ابتداء میں بتایا گیا، قومی اسمبلی نے یہ کام حج اور او قاف کی وزارت (جسے اب وزارت مذہبی امور کہا جاتا ہے) کے سپرد کیا تھا اور متعلقہ وزیر نے ہی نوارکان کا انتخاب کرنا تھا پھر اکثریتی ووٹ سے اپنے میں سے ایک رکن کو ایک سال کے لئے چیئرمین منتخب کرتے، تاہم مارشل لاء کے دور کے بعد سیاسی جمہوری حکومتوں میں یہ سارا معاملہ سیاسی بن گیا اور مولانا عبدالستار خان نیازی کے سوا کسی وزیر مذہبی امور نے یہ اختیار استعمال نہیں کیا بلکہ رواج یہ بن گیا کہ وزیر سفارش وزیر اعظم کو کرتا ہے اور پھر وزیر اعظم ہی تعیناتی کرتا ہے، وزارت مذہبی امور کے ریکارڈ کے مطابق قانوناً اب بھی یہ اختیار متعلقہ وزیر کے پاس ہے۔

رؤیت کی خبر قبول یا مسترد کرنے میں شدت یا تساہل؟

رمضان کی رؤیت کو فقہاء کرام روایت (خبر) مانتے ہیں شوال، ذوالحجہ اور دیگر مہینوں کی رؤیت پر وہ شہادت کے احکام کا اطلاق کرتے ہیں، اسی طرح وہ رمضان کے حکم کو امر دینی مانتے ہیں جب کہ دیگر مہینوں کو بالخصوص عیدین کو حقوق العبد سے متعلق سمجھتے ہیں، اس فرق کا قانونی اثر یہ ہے کہ رمضان کی رؤیت کی قبولیت میں کمیٹی کو بہت زیادہ شدت سے گریز کرنا چاہیے اور اگر بظاہر رویت کی روایت کرنے والا قابل اعتماد ہو تو بہت زیادہ چھان پھٹک اور جرح نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کے لیے شہادۃ علی الشہادۃ کا طریقہ کار بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس سے بھی بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرکزی کمیٹی اس ضمن میں صوبائی کمیٹی اور صوبائی کمیٹی پر ضلع کمیٹی کے ارکان پر اعتماد کرے۔

اب چونکہ مواصلات کا نظام بہت ترقی کر گیا ہے اس لئے خبر کی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک رسائی میں وقت کا ضیاع روکا جاسکتا ہے، تاہم یہ بات کئی دفعہ سامنے آئی ہے کہ مرکزی کمیٹی کے ارکان بالخصوص کمیٹی کے چیئرمین، خود راوی سے روایت سننا چاہتے ہیں، اس غیر ضروری شدت کی جڑ اس بد اعتمادی میں ہے جو مرکزی کمیٹی کو صوبائی زونل کمیٹیوں

کے بارے میں، یاان میں سے بعض کے بارے میں ہوتی ہے، جب تک یہ بداعتمادی ختم نہ ہو معاملہ بہتری کی طرف نہیں جاسکتا۔ البتہ اگر روایت کی خبر ایسے علاقے، یا ایسے وقت میں آرہی ہو جب فلکی حسابات قطعی طور پر وہاں امکان رؤیت کو مسترد کرتے ہوں، تو اس بنیاد پر رؤیت کی خبر کو مسترد کیا جاسکتا ہے اور اسے راوی کی غلط فہمی پر محمول کیا جایئگا۔ پھر عیدین کی رؤیت چونکہ شہادت ہے اس لئے اس میں گواہ کا مجلس قضاء میں آنا ضروری ہے لیکن اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ مرکزی کمیٹی اس ضمن میں صوبائی اور ضلعی کمیٹیوں کے فیصلوں پر اعتماد کرے اور اس پر اصرار نہ کرے کہ اس نے خود گواہوں کی گواہی سنی ہے، اس شہادت کی قبولیت کے سلسلے میں شاہد (گواہ) پر مناسب جرح بھی کی جاسکتی ہے لیکن اس ضمن میں بھی اختیار صوبائی اور ضلعی کمیٹیوں کو منتقل کرنا چاہیئے، البتہ اس سلسلے میں یہ بات مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ راوی کی روایت یا گواہ کی شہادت مسترد بھی کی جاسکتی ہے، خیبر پختونخوا کے عوام، بلکہ بعض علماء کرام بھی، عموماً یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی شہادتیں آئیں لیکن انھیں مسترد کیا گیا قانونی اصول اس سلسلے میں یہ ہے کہ شہادت جب تک قاضی کی جانب سے قبول نہ کی جائے تب تک اس کی حیثیت محض ایک خبر کی ہے اور یہ کہ دلائل اور قرائن کی بنیاد پر قاضی شہادت کو مسترد بھی کر سکتا ہے، اس لئے سچی بات یہ ہے کہ اس امر میں جانبین بے جا حسّاسیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کی رؤیت پر فیصلہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

خیبر پختونخوا میں جب مذہبی جماعتوں کے اتحاد، "متحدہ مجلس عمل" کی حکومت تھی تو صوبائی اسمبلی نے اس مقصد کے لئے قرارداد بھی منظور کی تھی کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کو رؤیت کے متعلق سعودی عرب کا فیصلہ ماننا چاہیئے، اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ ظاہر الروایہ کے مطابق اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے، اس لئے سعودی عرب کی رؤیت کی پاکستان میں قبولیت جائز ہے۔ اس موقف کی بنیاد دراصل سعودی عرب کے متعلق اس

خوش گمانی پر ہے کہ وہاں فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوتے ہیں در حقیقت یہ محض خوش گمانی ہی ہے، کئی اہل علم نے رؤیت کے متعلق سعودی عرب کے نظام پر تنقید کی ہے اس تنقید کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ رؤیت کی قبولیت کے لئے معیار حنبلی فقہ کے مطابق ہے جو حنفی فقہ کی رو سے صحیح نہیں ہے اس پہلو کو اگر نظر انداز بھی کیا جائے تو تنقید کا دوسرا پہلو زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ سعودی عرب میں فیصلے کی اصل بنیاد رؤیت نہیں بلکہ فلکی حسابات ہوتے ہیں اور جب ان حسابات کی رو سے چاند کی پیدائش ہو چکی ہو تو اس کے بعد ملنے والی رؤیت کی خبر کو وہ قبول کر لیتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ شرعاً فلکی حسابات کی بنیاد پر چاند کی پیدائش کو مہینے کے آغاز کے لئے معیار نہیں بنایا جا سکتا نہ ہی محض اختلافِ مطالع کے عدم اعتبار کو قبول کر کے اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اصل مسئلہ مطالع کے اختلاف کا نہیں بلکہ قانونِ اختیار کی حدود کا ہے۔ سعودی عرب کا فیصلہ پاکستان میں نافذ نہیں ہو سکتا جب تک حکومت اسے باقاعدہ طور پر قبول نہ کر لے۔

اگر حکومت پاکستان نے بعض دیگر مسلمان ممالک کی حکومتوں کی طرح یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ رؤیت کے متعلق سعودی عرب کا فیصلہ اپنے ملک میں نافذ کرے گی، تو اس کے بعد واقعتاً اختلاف مطالع کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ تاہم اس فیصلے کا ایک ناپسندیدہ اثر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر مقامی سطح پر رؤیت کا اہتمام کرنے میں بہت زیادہ تساہل برتا جائیگا۔ مزید برآں جب تک حکومتی سطح پر فیصلہ نہیں کیا جاتا، رؤیت ہلال کمیٹی اپنے طور پر اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی اور پاکستان کی سطح پر اسے رؤیت کے متعلق پاکستان کی حدود سے آنے والی روایات اور شہادتوں پر ہی فیصلہ کرنا ہوگا۔

احتیاط:

رؤیت ہلال کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف تجاویز سرکاری سطح پر بھی پیش کی جاتی رہی ہیں۔ سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اس سلسلے میں باقاعدہ قانون سازی کی جائے کیونکہ ایسی کسی قانون سازی کی عدم موجودگی میں حکومت نے قومی اسمبلی کی 1974ء کی قرارداد سے بہت کچھ انحراف کیا ہے۔ کسی باقاعدہ قانون کی عدم موجودگی ہی کی بنیاد پر سپریم کورٹ نے (جب کہ افتخار محمد چوہدری صاحب چیف جسٹس تھے) اس سلسلے میں پیٹیشن کی سماعت سے معذوری ظاہر کی۔ یہ فیصلہ کئی وجوہات سے ناپسندیدہ تھا لیکن ہم سردست اس فیصلے پر بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف یہ امر سامنے لانا چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر قانون سازی کیوں ضروری ہے؟ اہم بات یہ ہے کہ خود حکومت نے یہ ضرورت محسوس کی اور اس وقت بھی حکومت کے سامنے ایک مسوّدہ قانون زیر غور ہے۔

چیئرمین کی پوسٹ پر مسلکی بنیاد پر تعیناتی ایک بہت بری روایت ہے۔ اس سے بہر صورت جان چھڑانی چاہیے ہم تجویز کرتے ہیں کہ اس پوسٹ پر معتدل مزاج ذی علم شخصیت کو ایک سال کی مدت کے لئے تعینات کیا جائے اور ہر سال چیئرمین کا تعلق الگ صوبے سے ہو۔ جب تک کمیٹی کا چیئرمین قانون کا ماہر نہیں ہوگا، مسائل میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اختیارات کے ارتکاز کے بجائے اختیارات کی تقسیم اور منتقلی:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، ابتداء میں رؤیت ہلال کمیٹی کا نظام جمہوری تھا اور فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ چیئرمین کی پوزیشن بہت طاقتور ہوتی گئی، بالخصوص جبکہ فیصلے کا اعلان صرف چیئرمین ہی کر سکتا ہے اور مزید یہ کہ ایجنڈا پر کوئی بھی آئٹم چیئرمین کی مرضی کے بغیر نہیں لایا جاسکتا۔

چند اہم تجاویز:

ضروری ہے کہ کمیٹی کے فیصلوں کے متعلق اس اصول کو پھر سے نافذ کیا جائے کہ ہر فیصلہ اکثریتی ووٹ پر ہوگا نہ کہ چیئرمین کی پسند یا ناپسند پر۔ صوبائی سطح پر کمیٹی کے ارکان کی تعداد تکنیکی ارکان سمیت چھ سے زائد نہ ہو مسوّدہ قانون میں بھی یہی تجویز کیا گیا ہے۔

ہم مزید یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اس کمیٹی کا سربراہ متعلقہ صوبے سے کوئی معتدل مزاج مرنجاں مرنج شخصیت ہو۔ باقی ارکان کی اہلیت کے لئے وہی معیار ہو جو مرکزی کمیٹی کے ارکان کے لئے ہے۔ مسوّدہ قانون میں اسلام آباد کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ اس کی کمیٹی میں ارکان کی تعداد سات ہو۔ ہمارے خیال میں یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ چیئرمین اور تکنیکی افراد سمیت اس کی تعداد پانچ سے زائد بالکل نہیں ہونی چاہیے اور چیئرمین کی پوسٹ پر کوئی معروف مذہبی و علمی شخصیت ہو۔

مجوزہ قانون میں کہا گیا ہے کہ کمیٹیوں کی مدت چار سال ہو۔ ہمارے خیال میں یہ بہت بڑی مدت ہے۔ ایک سال کی مدت، جس میں بارہ دفعہ فیصلے کیے جاتے ہیں، بالکل کافی ہے ، بے شک بعض ارکان کو اگلے سال کے لئے بھی برقرار رکھا جائے لیکن ہر قمری سال کی ابتداء سے قبل نئی کمیٹی کا نوٹیفیکیشن ضروری ہو۔ البتہ جیسا کہ اوپر ہم نے تجویز کیا، چیئرمین ایک سال سے زائد عرصے کے لئے نہ ہو اور ہر سال نیا چیئرمین ہو۔ جب ایک دفعہ چاروں صوبوں سے چیئرمین ہو جائے تو اس کے بعد بے شک کسی پرانے چیئرمین کو دوبارہ تعینات کیا جا سکے۔ ارکان کی برطرفی کا اختیار وزیر مذہبی امور کے پاس رہے جب کہ چیئرمین کو ایک سال سے قبل برطرف نہ کیا جائے ، الا یہ کہ کمیٹی کے غیر تکنیکی ارکان (علماء کرام) اکثریت سے اس کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد منظور کریں۔

نجی کمیٹیوں کے خلاف کارروائی:

رؤیت ہلال کے فیصلے کے لئے بننے والی نجی کمیٹیاں در اصل حکومت کی رٹ (حاکمیت کو) چیلنج کرتی ہیں اس لیے ان کے خلاف سخت اقدامات کی ضرورت ہے۔ ایسا تب ہی ہو گا جب ان کمیٹیوں کے لیے عوامی حمایت کم سے کم ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری نظام پر عوام کا اعتماد قائم ہو۔ مجوزہ قانون میں ان کمیٹیوں کے قیام کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس جرم پر کم سے کم ایک سال کی سادہ قید اور دو لاکھ روپے تک جرمانے کی سزا دی جاسکے گی۔ ہم اس میں یہ اضافہ کرنا چاہیں گے کہ اس جرم کو قابل دست اندازی پولیس جرم (Cognizable offence) بھی قرار دیا جائے تاکہ متعلقہ افراد کو پولیس بغیر عدالتی وارنٹ کے بھی گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرنے کی مجاز ہو اور ساتھ ہی اس جرم کو ناقابل ضمانت(Non bailable)اور ناقابل صلح (Non compoundable)قرار دیا جائے۔

مجوزہ قانون میں ان ٹی وی چینل اور میڈیا سے وابسطہ افراد کے خلاف کارائی کا بھی کہا گیا ہے جو کمیٹی کے فیصلے سے قبل رؤیت ہلال کے متعلق خبر نشر کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ میڈیا کا کردار دوسرے بہت سے امور کی طرح یہاں بھی بہت ناپسندیدہ ہے لیکن اس مسئلے کا حل رؤیت ہلال کمیٹی کے متعلق قانون نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو میڈیا کے دباؤ کی وجہ سے یہ سارہ مسوّدہ قانون ہی دریابرد کر دیا جائے گا۔ بہتر یہ ہو گا کہ ایسے چینل اور افراد کے خلاف پہلے سے موجود میڈیا قوانین بالخصوص پیمرا کے قانون کے تحت کاروائی کی جائے۔

اسی طرح مجوزہ قانون میں ان افراد کے لئے بھی چھ ماہ تک قید اور پچاس ہزار روپے تک جرمانے کا سزا کہا گیا ہے جو رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے کی خلاف ورزی کریں۔ یہاں متن اتنا مبہم ہے کہ میں بالکل ہی نہیں سمجھ سکا کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ اندازہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو نجی کمیٹیوں کے فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے روزے رکھیں یا

عید منائیں۔ اگر مراد یہی ہے تو یہ قانون بہت ہی برا قانون ہے کیونکہ اس کا نفاذ عملاً ممکن ہی نہیں ہوگا۔[1] نیز اگر نجی کمیٹیوں کے خلاف مؤثر کاروائی ہو جائے تو پھر عوام الناس کے خلاف ایسی کارروائی کی ضرورت بھی نہیں رہے گی

ایک ضروری کام، جسے مجوزہ قانون میں نظرانداز کیا گیا ہے، یہ ہے کہ ہجری/قمری تقویم کے استعمال کو ترویج دی جائے اور اس ضمن میں کم از کم یہ کیا جائے کہ سرکاری اداروں، بالخصوص اوقاف کے زیر اہتمام مساجد اور مدارس، میں ہجری/قمری تقویم رائج کی جائے۔ شمسی تقویم کا استعمال یقیناً جائز ہے لیکن قمری تقویم کا اہتمام فرض کفایہ ہے۔

هٰذا ما عندی ،والعلم عندالله

رؤیت ہلال کمیٹی کی کارکردگی پر یہ بہترین مضمون ڈاکٹر محمد مشتاق احمد کی کتاب "رؤیت ہلال فقہی و قانونی تجزیہ" سے معمولی ترامیم کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے۔ کچھ پہلو نئے تھے اس لیے انہیں شامل کیا گیا ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے شکر گزار ہیں۔

بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانی عفاعنہ الغنی

---

[1]۔ اصول قانون کے مباحث میں عموماً برے قانون سے مراد وہ قانون ہوتا ہے جسے عملاً نافذ نا کیا جا سکے ایک ماہر قانون کا قول ہے۔ The best way to repeal a bad law is to enforce it strictly.
(کسی برے قانون کی تنسیخ کا بہتریں طریقہ یہ کہ اسے زبردستی نافذ کیا جائے)

امکانِ رؤیت کی پیش گوئی

ادارہ ''عرفان التوقیت'' کراچی نے قمری کیلنڈر کے نام سے بیس سالہ پیشگی (Advance) تقویم تیار کی ہے جو کہ بہت ہی اہم اور مفید چیز ہے۔ علم فلکیات کی روشنی میں امکانِ رؤیت ہلال کی بیس سالہ پیش گوئی ہے جس میں عوام الناس کے لیے آسانی اور قاضی و حاکم کے لیے تزکیہ شہادت میں راہنمائی ہے اس لیے اس کتاب میں ہو بہو یہ تقویم شامل کی جارہی ہے۔

جہاں تک روزہ اور عید کا مسئلہ ہے وہ صرف اسی کیلنڈر کی پیش گوئی پر نہیں بلکہ رؤیت بصری یعنی چاند دیکھنے پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِينَ»[1]

ترجمہ: یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر آپ سے چاند پوشیدہ رہے تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

آج کل کے کچھ جدت پسند حضرات یہ کہتے ہیں کہ رؤیت سے مجازی معنٰی مراد ہے یعنی ''چاند معلوم ہونا'' مطلب یہ ہے کہ ماہرین کے علم میں جب یہ آجائے کہ اس وقت چاند افق پر موجود ہے تو روزہ اور عید کا حکم جاری کرنا چاہیے لیکن یہ زعم باطل ہے۔ کیونکہ اصولِ فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی لفظ کا جب تک حقیقی معنٰی متعذر و متروک نہ ہو اس وقت تک مجازی معنٰی مراد نہیں ہو سکتا۔ یہاں رؤیت کا معنٰی حقیقی ''دیکھنا'' متعذر و متروک نہیں بلکہ مستعمل ہے لہذا حدیث شریف کا مفہوم ہے رؤیت بصری یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔

---

[1]-صحیح بخاری، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الهِلاَلَ فَصُومُوا، حدیث نمبر: 1909

تخلیق چاند کے بعد جب افق پر وجود قمر ہو جائے تو تقریباً 20 گھنٹے یہ چاند قابل دید نہیں ہوتا۔ لہذا اگر سینکڑوں ماہرین فن بظاہر چاند کی موجودگی کی گواہی دیں تو پھر بھی روزہ یا عید کا اعلان نہیں ہو سکتا جب تک لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ پائیں،اس لیے کہ شریعت کے مطابق چشم دید گواہی آنے پر نئے چاند کا اعلان ہو گا۔

نئے چاند کا چھوٹا بڑا ہونا:

نئی قمری تاریخ کے تعین کا مدار شرعاًاور سائنسی طور پر ہلال کے چھوٹا بڑا ہونے یا غروب آفتاب کے بعد مطلع پر اس کے موجود ہونے کی مقدار یا وقت پر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہمارے ہاں بعض اوقات اہل علم بھی کہہ دیتے ہیں کہ چاند کافی بڑا ہے اور کافی دیر تک مطلع پر موجود رہا۔'' لگتا ہے کہ ایک دن پہلے کا ہے'' یہ سوچ اور طرزِ فکر غیر شرعی اور غیر علمی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، قَالَ: خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ، فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ قَالَ: تَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، قَالَ: فَلَقِينَا ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْنَا: إِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ، وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، فَقَالَ: أَيَّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوهُ؟ قَالَ فَقُلْنَا: لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّ اللهَ مَدَّهُ لِلرُّؤْيَةِ، فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوهُ»[1]

(ابو البختری بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرے کے لیے گئے، جب ہم وادئ نخلہ میں پہنچے تو ہم نے چاند دیکھا، بعض لوگوں نے کہا:''تیسری تاریخ

[1]-صحیح مسلم،بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِكُبْرِ الْهِلَالِ وَصِغَرِهِ،حدیث نمبر:29

کا چاند لگتا ہے" اور بعض نے کہا: "دوسری تاریخ کا چاند لگتا ہے"۔ راوی بیان کرتا ہے: پھر ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہوئی، تو ہم نے (قیاس کی بنیاد پر اختلاف کی) یہ صورت حال ان کو بتائی ۔انہوں نے فرمایا: "تم نے چاند کس رات کو دیکھا تھا"؟، ہم نے کہا: "فلاں رات کو"، انہوں نے کہا: رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لیے اسے بڑھا دیا، در حقیقت یہ اسی رات کا چاند ہے، جس رات کو تم نے اسے دیکھا ہے۔)

یہ حدیث شریف اس مسئلے میں شریعت کی اصل ہے کہ نئے چاند کا مدار رؤیت پر ہے، اس امر پر نہیں ہے کہ اس کا سائز چھوٹا ہے یا بڑا یا مطلع پر اس کے نظر آنے کا دورانیہ کم ہے یا زیادہ۔ اس لیے کسی عالم یا تعلیم یافتہ شخص کا نیا چاند دیکھ کر یہ کہنا کہ دو یا تین تاریخ کا لگتا ہے، یہ غیر شرعی اور غیر عالمانہ رویہ ہے۔اسی طرح سائنسی حقیقت بھی یہی ہے، مثلاً کسی قمری مہینے کے 29 تاریخ گزرنے کے بعد شام کو نئے چاند کا غروبِ آفتاب کے فوراً بعد مطلع پر ظہور تو ہے مگر اس کا درجہ چار یا پانچ ہے، اس کی عمر 18 گھنٹے ہے اور مطلع پر اس کا ظہور پندرہ بیس منٹ ہے۔ تو اس صورت میں چاند مطلع پر تو موجود ہے لیکن اس کی رؤیت کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے، لہذا یہ قمری مہینہ 30 دن کا قرار پائے گا۔ اب اگلی شام کو اس چاند کی عمر 42 گھنٹے ہو جائے گی، مطلع پر اس کا درجہ 12 یا اس سے اوپر ہو جائے گا اور مطلع پر اس کا استقرار و ٹھہراؤ بھی نسبتاً زیادہ وقت کے لیے ہوگا، مثلاً ایک گھنٹہ سے کچھ مزید، اور اس کا حجم (Size) بھی بڑا ہوگا، لیکن یہ قطعیت کے ساتھ پہلی تاریخ کا چاند ہوگا۔ لہذا میری اہلِ علم اور اہلِ وطن سے اپیل ہے کہ توہمات کے حصار سے نکلیں اور حقیقت پسند بنیں۔[1]

---

[1]-رویت ہلال، ص29

ماہر فلکیات جدیدہ وقدیمہ **علامہ موسیٰ خان البازیؒ صاحب** ودیگر ماہرین فن نے یہ وضاحت کی ہے کہ پہلی رات کا چاند غروب شمس کے بعد ڈیڑھ پونے دو گھنٹے تک رہ سکتا ہے ۔مثلاً 29 تاریخ کو چاند سورج سے 40 منٹ پیچھے تھا اور نہیں دیکھا گیا اب چاند تو روزانہ یعنی 24 گھنٹوں میں تقریباً 51 منٹ کبھی زیادہ سورج سے پیچھے ہٹ جاتا ہے تو اس حساب سے اگلی رات چاند سورج سے 91 منٹ پیچھے غروب ہوگا، سائز میں بھی کافی بڑا ہوگا دیکھنے والوں کو دوسری رات کا لگ رہا ہوگا، لیکن حقیقت میں یہ پہلی رات کا چاند ہی ہوگا۔ عرضیکہ چاند دیکھ کر ٹامک ٹوئیاں مارنا ایک وسوسہ تو ہو سکتا ہے حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور جوڑ نہیں ہے۔لہذا اس قسم کی بے جا اور لغو اختراعات سے حتی المقدور مجتنب رہنا چاہیے تاکہ امت میں انتشار اور افتراق پھیل نہ پائے۔ واللہ المستعان۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج کل بعض لبرل اور جدت پسند قسم کے لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہوا ہے کہ جب مولوی حضرات چاند پر بھی متفق نہیں ہوتے ہر سال جھگڑا ہی رہتا ہے اور ملک میں دو دو عیدیں منائی جاتی ہیں تو بہتر ہے کہ اس سائنسی دور میں یہ معاملہ ،ماہرینِ فلکیات کے سپرد کیا جائے۔ جب معلوم ہو جائے کہ افق پر وجود قمر ہو گیا ہے ،یعنی ماہرینِ فن پیش گوئی کر دیں کہ آج شام افق پر چاند اس کیفیت کے ساتھ موجود ہوگا تو حکومت کو اعلان کرنا چاہیے کہ کل ان شآءاللہ العزیز یکم تاریخ نئے چاند کی ہوگی۔ بلکہ اس کے لیے ایک مستقل ہجری کیلنڈر کو ترتیب دیا جائے جیسا کہ اکثر ممالک میں مروّج ہے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری یعنی تمام اختلافات اور جھگڑوں کا قلع قمع ہو جائے۔

تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو بعض علماء کرام ہی کا خیال ہے کہ فلکیاتی پیش گوئیاں محض قیاس آرائیاں ہیں، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں ہم صرف شہادتِ رؤیت پر عمل

کریں گے۔ پھر ایسی شہادتوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں جو کہ فنی اعتبار سے اسی نوے فیصد جھوٹی ہوتی ہیں۔ گویا کہ اس وقت مسئلہ رؤیت ہلال کے سلسلے میں ہم دو مختلف نظریوں کا شکار ہیں:

ایک یہ کہ سائنسی فلکیاتی معلومات ہیچ ہیں اگر ماہرین فلکیات یہ کہیں کہ چاند کی ولادت بھی نہیں ہوئی اور دوسری طرف رؤیت کی شہادت آجائے تو ہمارے لیے یہ شرعی حجت کافی ہے۔ **دوسرا** نظریہ یہ ہے کہ ملک میں رؤیت ہلال کمیٹی کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ ملکی وسائل پر بوجھ ہے۔ بہتر ہے کہ ماہرین فلکیات مستقل کیلنڈر بنا کر دیں۔ اس کے ذریعے روزہ اور عید کا اعلان ہوتا رہے بلکہ سال بارہ مہینے لوگوں کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ رمضان یا کوئی اور مہینہ کب سے شروع ہوگا۔

اب ان دونوں انتہاؤں کو چھوڑ کر ہمیں اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے یعنی حکم شرعی کا اصل مدار تو شہادتِ رؤیت پر ہے لیکن فلکیاتی معلومات و شواہد کو بطور مدد و معاون لیں گے تاکہ تزکیہ شہادت صحیح طور پر ہو جائے، کوئی گواہ، قاضی صاحب کو جھوٹی گواہی میں نہ الجھا سکے۔ یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ چاند کے طلوع و غروب، شکل، مقام اور افق پر رہنے کی مدت سے متعلقہ فلکیاتی معلومات قطعی اور یقینی ہوتی ہیں لہذا اگر ہم قطعی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے آنکھوں سے چاند دیکھنے والوں کی جانچ پڑتال کریں تو یقیناً ہم ایک ایسے بہترین نتیجے تک پہنچ جائیں گے جو تمام شرعی اور فنی تقاضوں سے مبرہن ہونے کی بدولت سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔ ان شاءاللہ

مستقل ہجری کیلنڈر کا مسئلہ:

جہاں تک مستقل ہجری کیلنڈر کا تعلق ہے تو یہ لوگوں کی خام خیالی ہے کیونکہ ماہر فلکیات ڈاکٹر شاہد قریشی صاحب لکھتے ہیں: ''عام طور پر دنیا میں نئے چاند کی رویت یا امکانِ رویت کے حوالے سے قمری ماہ کی 29 تاریخ کو تین علاقے (Region) ہوتے ہیں:

ریجن اے: جس میں ہلال کی واضح رؤیت کا امکان ہوتا ہے۔

ریجن بی: جہاں صورتِ حال غیر یقینی ہوتی ہے یعنی رویت اور عدم رؤیت دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

ریجن سی: جس میں ہلال کی رؤیت کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

اگر حقیقی رؤیت کے امکان پر مبنی کوئی مستقل کیلنڈر بنایا جاتا ہے اور ہمارا ملک ریجن بی میں آتا ہو تو اس صورت میں کیلنڈر قطعی ناکام ہوگا۔ لیکن اگر حقیقی رؤیت کے امکان پر مبنی کیلنڈر نہیں بنایا جاتا، تو یہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کے بالکل منافی ہے۔ شعبہ فلکیات آپ کو صرف یہ بتا سکتا ہے کہ قمری ماہ کی 29 تاریخ کو ہمارا ملک کون سے ریجن میں آتا ہے: اے یا بی یا سی۔ لیکن اگر ملک ریجن بی میں ہے، تو نہ ماہر فلکیات اور نہ ماہر موسمیات کوئی قطعی پیش گوئی کر سکتا ہے کہ ہلال یقینی طور پر نظر آئے گا۔ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے علم وحی اور دانش نبوت پر اعتماد کرنا چاہیے، شریعت نے ہمیں پیش گوئی کا نہیں بلکہ حقیقی رؤیت کا حکم دیا ہے۔

قطع نظر اس حقیقت سے کہ شریعت کی رو سے مدار رؤیت بصری پر ہے مستقل قمری کیلنڈر کا مشورہ دینے والے بھول جاتے ہیں کہ پاکستان میں مستقل سائنسی کیلنڈر کیسے نافذ کیا جائے گا کس کس سے منوایا جائے گا جب کہ ہر مسجد کا خطیب اور ہر ادارے کا مفتی اپنی ذاتی حیثیت میں مفتی اعظم پاکستان ہے اور اسے ملک کی قائم کردہ مجلس قضا و کمیٹی کو رد کرنے اور اس کے متوازی فیصلہ کرنے کا مکمل استحقاق ہے اس کی نظر میں ماہرین فلکیات کی کیلنڈر کی وقعت پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ اصل میں مسئلہ حکومت کا ہے کہ وہ اس معاملہ میں چشم پوشی کر رہی ہے جس کی وجہ سے نجی رؤیت ہلال کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں، جو کہ ملک میں انتشار و فساد پھیلانے کی جڑ ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ اپنا رٹ قائم کرتے ہوئے من مانی کمیٹیوں پر پابندی لگائیں اور پورے عوام کو مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے حکم کا پابند بنائیں۔

البتہ یہ جو مختلف کیلنڈرز بنے ہوئے ہیں جیسا کہ ادارہ عرفان التوقیت کراچی نے یہ تقویم تیار کی ہے۔ جناب شبیر احمد کاکاخیل صاحب نے اپنی کتاب فہم الفلکیات کے آخر میں

1421ھ تا1456ھ یعنی 36 سالہ قمری تقویم شامل کی ہے۔اسی طرح علامہ اسد اللہ شہباز صاحب مدرس جامعۃ الرشید کراچی نے اپنی کتاب تفہیم الفلکیات کے آخر میں دس سالہ ایڈوانس تقویم شامل کی ہے۔ یہ صرف سہولت کی غرض سے پرنٹ شدہ ہیں تاکہ چاند دیکھنے والوں کے لیے آسانی ہو اور قاضی کے لیے تزکیہ شہادت میں کوئی دشواری نہ ہو۔ مدارِ حکم قاضی شہادت پر ہے۔ مندرجہ بالا تقاویم ثلاثہ میں سے کاکاخیل صاحب والی تقویم کا مقصد تخلیق چاند کا وقت بتانا ہے کہ چاند کی پیدائش کونسی تاریخ کو کس وقت ہو گی باقی دونوں تقاویم کا مقصد امکان رؤیت ہے کہ چاند کا دیکھنا کب ممکن ہو گا بلکہ عرفان التوقیت والی تقویم میں بتایا گیا ہے کہ کس انگریزی تاریخ کو چاند کی پہلی تاریخ ہو گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(بندہ عاجز حبیب اللہ نعمانی عفاعنہ الغنی خادم، الجامعۃ الاسلامیہ الائی)

صُومو لِرُوٗیَتِہ وأفطروا لرُوٗیَتِہٖ

پاکستان میں چاند نظر آنے (یعنی امکان رؤیت) کی بنیاد پر تیار کردہ 20سالہ

قمری کیلنڈر

(2019ء-2038)

یہ کلینڈر صرف معلومات کے لیے ہے ثبوت رؤیت کے لیے قضائے شرعی کا مدار رؤیت عینی پر ہی ہو گا۔

جاری کردہ

ادارہ عرفان التوقیت کراچی

+92 332 3531226

Fb.com/ilmetauqeet

E-mail: ilmetaqeet@gmail.com

2019ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم جمادی الاولیٰ 1440ھ	8-Jan منگل	30 دن
یکم جمادی الثانیہ 1440ھ	7-Feb جمعرات	30 دن
یکم رجب المرجب 1440ھ	9-Mar ہفتہ	29 دن
یکم شعبان المعظم 1440ھ	7-Apr اتوار	30 دن
یکم رمضان المبارک 1440ھ	7-May منگل	29 دن
یکم شوال المکرم 1440ھ	5-Jun بدھ	30 دن
یکم ذوالقعدہ 1440ھ	5-Jul جمعہ	29 دن
یکم ذوالحجہ 1440ھ	3-Aug ہفتہ	29 دن
یکم محرم الحرام 1441ھ	1-Sep اتوار	30 دن
یکم صفر المظفر 1441ھ	1-Oct منگل	29 دن
یکم ربیع الاول 1441ھ	30-Oct بدھ	30 دن
یکم ربیع الثانی 1441ھ	29-Nov جمعہ	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1441ھ	28-Dec ہفتہ	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2020ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم جمادی الثانیہ 1441ھ	27-Jan پیر	30دن
یکم رجب المرجب 1441ھ	26-Feb بدھ	29دن
یکم شعبان المعظم 1441ھ	26-Mar جمعرات	30دن
یکم رمضان المبارک 1441ھ	25-Apr ہفتہ	30دن
یکم شوال المکرم 1441ھ	25-May پیر	29دن
یکم ذوالقعدہ 1441ھ	23-Jun منگل	30دن
یکم ذوالحجہ 1441ھ	23-Jul جمعرات	29دن
یکم محرم الحرام 1442ھ	21-Aug جمعہ	29دن
یکم صفر المظفر 1442ھ	19-Sep ہفتہ	30دن
یکم ربیع الاول 1442ھ	19-Oct پیر	29دن
یکم ربیع الثانی 1442ھ	17-Nov منگل	30دن
یکم جمادی الاولیٰ 1442ھ	17-Dec جمعرات	29دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2021ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم جمادی الثانیہ 1442ھ	15-Jan جمعہ	30 دن
یکم رجب المرجب 1442ھ	14-Feb اتوار	29 دن
یکم شعبان المعظم 1442ھ	15-Mar پیر	30 دن
یکم رمضان المبارک 1442ھ	14-Apr بدھ	30 دن
یکم شوال المکرم 1442ھ	14-May جمعہ	29 دن
یکم ذوالقعدہ 1442ھ	12-Jun ہفتہ	30 دن
یکم ذوالحجہ 1442ھ	12-Jul پیر	29 دن
یکم محرم الحرام 1443ھ	10-Aug منگل	30 دن
یکم صفر المظفر 1443ھ	09-Sep جمعرات	29 دن
یکم ربیع الاول 1443ھ	08-Oct جمعہ	30 دن
یکم ربیع الثانی 1443ھ	07-Nov اتوار	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1443ھ	06-Dec پیر	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2022ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم جمادی الثانیہ 1443ھ	05-Jan بدھ	29 دن
یکم رجب المرجب 1443ھ	03-Feb جمعرات	30 دن
یکم شعبان المعظم 1443ھ	05-Mar ہفتہ	29 دن
یکم رمضان المبارک 1443ھ	03-Apr اتوار	30 دن
یکم شوال المکرم 1443ھ	03-May منگل	29 دن
یکم ذوالقعدہ 1443ھ	01-Jun بدھ	30 دن
یکم ذوالحجہ 1443ھ	01-Jul جمعہ	30 دن
یکم محرم الحرام 1444ھ	31-Jul اتوار	29 دن
یکم صفر المظفر 1444ھ	29-Aug پیر	30 دن
یکم ربیع الاول 1444ھ	28-Sep بدھ	30 دن
یکم ربیع الثانی 1444ھ	28-Oct جمعہ	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1444ھ	26-Nov ہفتہ	29 دن
یکم جمادی الثانیہ 1444ھ	25-Dec اتوار	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2023ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رجب المرجب 1444ھ	24-Jan منگل	29 دن
یکم شعبان المعظم 1444ھ	22-Feb بدھ	30 دن
یکم رمضان المبارک 1444ھ	24-Mar جمعہ	29 دن
یکم شوال المکرم 1444ھ	22-Apr ہفتہ	30 دن
یکم ذوالقعدہ 1444ھ	22-May پیر	29 دن
یکم ذوالحجہ 1444ھ	20-Jun منگل	30 دن
یکم محرم الحرام 1445ھ	20-Jul جمعرات	30 دن
یکم صفر المظفر 1445ھ	19-Aug ہفتہ	29 دن
یکم ربیع الاول 1445ھ	17-Sep اتوار	30 دن
یکم ربیع الثانی 1445ھ	17-Oct منگل	30 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1445ھ	16-Nov جمعرات	29 دن
یکم جمادی الثانیہ 1445ھ	15-Dec جمعہ	29 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2024ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رجب المرجب 1445ھ	13-Jan ہفتہ	30دن
یکم شعبان المعظم 1445ھ	12-Feb پیر	29دن
یکم رمضان المبارک 1445ھ	12-Mar منگل	30دن
یکم شوال المکرم 1445ھ	11-Apr جمعرات	29دن
یکم ذوالقعدہ 1445ھ	10-May جمعہ	29دن
یکم ذوالحجہ 1445ھ	08-Jun ہفتہ	30دن
یکم محرم الحرام 1446ھ	08-Jul پیر	30دن
یکم صفر المظفر 1446ھ	07-Aug بدھ	30دن
یکم ربیع الاول 1446ھ	06-Sep جمعہ	29دن
یکم ربیع الثانی 1446ھ	05-Oct ہفتہ	30دن
یکم جمادی الاولیٰ 1446ھ	04-Nov پیر	30دن
یکم جمادی الثانیہ 1446ھ	04-Dec بدھ	29دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2025ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رجب المرجب 1446ھ	02-Jan جمعرات	29 دن
یکم شعبان المعظم 1446ھ	31-Jan جمعہ	30 دن
یکم رمضان المبارک 1446ھ	02-Mar اتوار	29 دن
یکم شوال المکرم 1446ھ	31-Mar پیر	29 دن
یکم ذوالقعدہ 1446ھ	29-Apr منگل	30 دن
یکم ذوالحجہ 1446ھ	29-May جمعرات	29 دن
یکم محرم الحرام 1447ھ	27-Jun جمعہ	30 دن
یکم صفر المظفر 1447ھ	27-Jul اتوار	30 دن
یکم ربیع الاول 1447ھ	26-Aug منگل	30 دن
یکم ربیع الثانی 1447ھ	25-Sep جمعرات	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1447ھ	24-Oct جمعہ	30 دن
یکم جمادی الثانیہ 1447ھ	23-Nov اتوار	29 دن
یکم رجب المرجب 1447ھ	22-Dec پیر	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہو گا۔

2026ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم شعبان المعظم 1447ھ	21-Jan بدھ	29 دن
یکم رمضان المبارک 1447ھ	19-Feb جمعرات	30 دن
یکم شوال المکرم 1447ھ	21-Mar ہفتہ	29 دن
یکم ذوالقعدہ 1447ھ	19-Apr اتوار	29 دن
یکم ذوالحجہ 1447ھ	18-May پیر	30 دن
یکم محرم 1448ھ	17-Jun بدھ	29 دن
یکم صفر المظفر 1448ھ	16-Jul جمعرات	30 دن
یکم ربیع الاول 1448ھ	15-Aug ہفتہ	30 دن
یکم ربیع الثانی 1448ھ	14-Sep پیر	30 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1448ھ	14-Oct بدھ	29 دن
یکم جمادی الثانیہ 1448ھ	12-Nov جمعرات	29 دن
یکم رجب المرجب 1448ھ	11-Dec جمعہ	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2027ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم شعبان المعظم 1448ھ	10-Jan اتوار	30 دن
یکم رمضان المبارک 1448ھ	09-Feb منگل	29 دن
یکم شوال المکرم 1448ھ	10-Mar بدھ	30 دن
یکم ذوالقعدہ 1448ھ	09-Apr جمعہ	29 دن
یکم ذوالحجہ 1448ھ	08-May ہفتہ	30 دن
یکم محرم الحرام 1449ھ	07-Jun پیر	29 دن
یکم صفر المظفر 1449ھ	06-Jul منگل	30 دن
یکم ربیع الاول 1449ھ	05-Aug جمعرات	29 دن
یکم ربیع الثانی 1449ھ	03-Sep جمعہ	30 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1449ھ	03-Oct اتوار	29 دن
یکم جمادی الثانیہ 1449ھ	01-Nov پیر	30 دن
یکم رجب المرجب 1449ھ	01-Dec بدھ	29 دن
یکم شعبان المعظم 1449ھ	30-Dec جمعرات	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2028ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رمضان المبارک 1449ھ	29-Jan ہفتہ	29 دن
یکم شوال المکرم 1449ھ	27-Feb اتوار	30 دن
یکم ذوالقعدہ 1449ھ	28-Mar منگل	30 دن
یکم ذوالحجہ 1449ھ	27-Apr جمعرات	29 دن
یکم محرم الحرام 1450ھ	26-May جمعہ	30 دن
یکم صفر المظفر 1450ھ	25-Jun اتوار	29 دن
یکم ربیع الاول 1450ھ	24-Jul پیر	30 دن
یکم ربیع الثانی 1450ھ	23-Aug بدھ	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1450ھ	21-Sep جمعرات	30 دن
یکم جمادی الثانیہ 1450ھ	21-Oct ہفتہ	29 دن
یکم رجب المرجب 1450ھ	19-Nov اتوار	29 دن
یکم شعبان المعظم 1450ھ	18-Dec پیر	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2029ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رمضان المبارک 1450ھ	17-Jan بدھ	29 دن
یکم شوال المکرم 1450ھ	15-Feb جمعرات	30 دن
یکم ذوالقعدہ 1450ھ	17-Mar ہفتہ	30 دن
یکم ذوالحجہ 1450ھ	16-Apr پیر	30 دن
یکم محرام الحرام 1451ھ	16-May بدھ	29 دن
یکم صفر المظفر 1451ھ	14-Jun جمعرات	30 دن
یکم ربیع الاول 1451ھ	14-Jul ہفتہ	30 دن
یکم ربیع الثانی 1451ھ	13-Aug پیر	29 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1451ھ	11-Sep منگل	29 دن
یکم جمادی الثانیہ 1451ھ	10-Oct بدھ	29 دن
یکم رجب المرجب 1451ھ	08-Nov جمعرات	30 دن
یکم شعبان المعظم 1451ھ	08-Dec ہفتہ	29 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2030ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم رمضان المبارک 1451ھ	06-Jan اتوار	30دن
یکم شوال المکرم 1451ھ	05-Feb منگل	29دن
یکم ذوالقعدہ 1451ھ	06-Mar بدھ	30دن
یکم ذوالحجہ 1451ھ	05-Apr جمعہ	30دن
یکم محرم الحرام 1452ھ	05-May اتوار	29دن
یکم صفر المظفر 1452ھ	03-Jun پیر	30دن
یکم ربیع الاول 1452ھ	03-Jul بدھ	30دن
یکم ربیع الثانی 1452ھ	02-Aug جمعہ	30دن
یکم جمادی الاولیٰ 1452ھ	01-Sep اتوار	29دن
یکم جمادی الثانیہ 1452ھ	30-Sep پیر	29دن
یکم رجب المرجب 1452ھ	29-Oct منگل	29دن
یکم شعبان المعظم 1452ھ	27-Nov بدھ	29دن
یکم رمضان المبارک 1452ھ	26-Dec جمعرات	30دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2031ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم شوال المکرم1452ھ	25-Janہفتہ	29دن
یکم ذوالقعدہ1452ھ	23-Febاتوار	30دن
یکم ذوالحجہ1452ھ	25-Marمنگل	30دن
یکم محرم الحرام1453ھ	24-Aprجمعرات	29دن
یکم صفر المظفر1453ھ	23-Mayجمعہ	30دن
یکم ربیع الاول1453ھ	22-Junاتوار	30دن
یکم ربیع الثانی1453ھ	22-Julمنگل	30دن
یکم جمادی الاولیٰ1453ھ	21-Augجمعرات	29دن
یکم جمادی الثانیہ1453ھ	19-Sepجمعہ	30دن
یکم رجب المرجب1453ھ	19-Octاتوار	29دن
یکم شعبان المعظم1453ھ	17-Novپیر	29دن
یکم رمضان المبارک1453ھ	16-Decمنگل	30دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2032ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم شوال المکرم 1453ھ	15-Jan جمعرات	29دن
یکم ذوالقعدہ1453ھ	13-Feb جمعہ	29دن
یکم ذوالحجہ 1453ھ	13-Mar ہفتہ	30دن
یکم محرم الحرام1454ھ	12-Apr پیر	30دن
یکم صفر المظفر1454ھ	12-May بدھ	29دن
یکم ربیع الاول1454ھ	10-Jun جمعرات	30دن
یکم ربیع الثانی1454ھ	10-Jul ہفتہ	30دن
یکم جمادی الاولیٰ1454ھ	09-Aug پیر	30دن
یکم جمادی الثانیہ1454ھ	08-Sep بدھ	29دن
یکم رجب المرجب1454ھ	07-Oct جمعرات	29دن
یکم شعبان المعظم1454ھ	05-Nov جمعہ	30دن
یکم رمضان المبارک1454ھ	05-Dec اتوار	29دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2033ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم شوال المکرم 1454ھ	03-Jan پیر	30دن
یکم ذوالقعدہ 1454ھ	02-Feb بدھ	29دن
یکم ذوالحجہ 1454ھ	03-Mar جمعرات	29دن
یکم محرم الحرام 1455ھ	01-Apr جمعہ	30دن
یکم صفر المظفر 1455ھ	01-May اتوار	29دن
یکم ربیع الاول 1455ھ	30-May پیر	30دن
یکم ربیع الثانی 1455ھ	29-Jun بدھ	30دن
یکم جمادی الاولیٰ 1455ھ	29-Jul جمعہ	30دن
یکم جمادی الثانیہ 1455ھ	28-Aug اتوار	29دن
یکم رجب المرجب 1455ھ	26-Sep پیر	30دن
یکم شعبان المعظم 1455ھ	26-Oct بدھ	29دن
یکم رمضان المبارک 1455ھ	24-Nov جمعرات	30دن
یکم شوال المکرم 1455ھ	24-Dec ہفتہ	29دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2034ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم ذوالقعدہ 1455ھ	22-Jan اتوار	30 دن
یکم ذوالحجہ 1455ھ	21-Feb منگل	29 دن
یکم محرم الحرام 1456ھ	22-Mar بدھ	30 دن
یکم صفر المظفر 1456ھ	21-Apr جمعہ	29 دن
یکم ربیع الاول 1456ھ	20-May ہفتہ	29 دن
یکم ربیع الثانی 1456ھ	18-Jun اتوار	30 دن
یکم جمادی الاولیٰ 1456ھ	18-Jul منگل	30 دن
یکم جمادی الثانیہ 1456ھ	17-Aug جمعرات	29 دن
یکم رجب المرجب 1456ھ	15-Sep جمعہ	30 دن
یکم شعبان المعظم 1456ھ	15-Oct اتوار	29 دن
یکم رمضان المبارک 1456ھ	13-Nov پیر	30 دن
یکم شوال المکرم 1456ھ	13-Dec بدھ	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہو گا۔

2035ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم ذوالقعدہ 1456ھ	12-Jan جمعہ	29 دن
یکم ذوالحجہ 1456ھ	10-Feb ہفتہ	30 دن
یکم محرم الحرام 1457ھ	12-Mar پیر	29 دن
یکم صفر المظفر 1457ھ	10-Apr منگل	30 دن
یکم ربیع الاول 1457ھ	10-May جمعرات	29 دن
یکم ربیع الثانی 1457ھ	08-Jun جمعہ	29 دن
یکم جمادی الاولی 1457ھ	07-Jul ہفتہ	30 دن
یکم جمادی الثانیہ 1457ھ	06-Aug پیر	29 دن
یکم رجب المرجب 1457ھ	04-Sep منگل	30 دن
یکم شعبان المعظم 1457ھ	04-Oct جمعرات	29 دن
یکم رمضان المبارک 1457ھ	02-Nov جمعہ	30 دن
یکم شوال المکرم 1457ھ	02-Dec اتوار	30 دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہو گا۔

2036ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم ذوالقعدہ 1457ھ	01-Jan منگل	29دن
یکم ذوالحجہ 1457ھ	30-Jan بدھ	30دن
یکم محرم الحرام 1458ھ	29-Feb جمعہ	30دن
یکم صفر المظفر 1458ھ	30-Mar اتوار	29دن
یکم ربیع الاول 1458ھ	28-Apr پیر	30دن
یکم ربیع الثانی 1458ھ	28-May بدھ	29دن
یکم جمادی الاولیٰ 1458ھ	26-Jun جمعرات	29دن
یکم جمادی الثانیہ 1458ھ	25-Jul جمعہ	30دن
یکم رجب المرجب 1458ھ	24-Aug اتوار	29دن
یکم شعبان المعظم 1458ھ	22-Sep پیر	29دن
یکم رمضان المبارک 1458ھ	21-Oct منگل	30دن
یکم شوال المکرم 1458ھ	20-Nov جمعرات	30دن
یکم ذوالقعدہ 1458ھ	20-Dec ہفتہ	29دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2037ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم ذوالحجہ 1458ھ	18-Jan اتوار	30دن
یکم محرم الحرام1459ھ	17-Feb منگل	30دن
یکم صفر المظفر1459ھ	19-Mar جمعرات	30دن
یکم ربیع الاول1459ھ	18-Apr ہفتہ	29دن
یکم ربیع الثانی1459ھ	17-May اتوار	30دن
یکم جمادی الاولیٰ1459ھ	16-Jun منگل	29دن
یکم جمادی الثانیہ1459ھ	15-Jul بدھ	29دن
یکم رجب المرجب1459ھ	13-Aug جمعرات	30دن
یکم شعبان المعظم1459ھ	12-Sep ہفتہ	29دن
یکم رمضان المبارک1459ھ	11-Oct اتوار	29دن
یکم شوال المکرم1459ھ	09-Nov پیر	30دن
یکم ذوالقعدہ1459ھ	09-Dec بدھ	30دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہوگا۔

2038ء

متوقع آغاز اسلامی ماہ	عیسوی تاریخ/دن	مہینے کے متوقع ایام
یکم ذوالحجہ 1459ھ	08-Jan جمعہ	29دن
یکم محرام الحرام 1460ھ	06-Feb ہفتہ	30دن
یکم صفر المظفر 1460ھ	08-Mar پیر	30دن
یکم ربیع الاول 1460ھ	07-Apr بدھ	29دن
یکم ربیع الثانی 1460ھ	06-May جمعرات	30دن
یکم جمادی الاولیٰ 1460ھ	05-Jun ہفتہ	30دن
یکم جمادی الثانیہ 1460ھ	05-Jul پیر	29دن
یکم رجب المرجب 1460ھ	03-Aug منگل	29دن
یکم شعبان المعظم 1460ھ	01-Sep بدھ	30دن
یکم رمضان المبارک 1460ھ	01-Oct جمعہ	29دن
یکم شوال المکرم 1460ھ	30-Oct ہفتہ	29دن
یکم ذوالقعدہ 1460ھ	28-Nov اتوار	30دن
یکم ذوالحجہ 1460ھ	28-Dec منگل	30دن

نوٹ: حتمی فیصلہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کا ہی ہو گا۔

بابِ چہارم:

تعوین الملۃ علٰی تعیین القبلۃ

(سمتِ قبلہ کا تعیّن)

استقبالِ قبلہ، فرائضِ نماز میں سے ہے۔ چونکہ اطاعت بقدر استطاعت ہے اس لیے اہل مکہ (یعنی مشاہدین بیت اللہ) کے لیے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا لازمی ہے۔ اگر بال برابر بھی انحراف رہا تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن جو لوگ مکہ مکرمہ سے باہر دنیا کے اطراف و اکناف میں رہائش پذیر ہیں۔

کعبۃ اللہ اور ان کے درمیان بڑے بڑے پہاڑ اور رکاوٹیں حائل ہیں تو ان کے لیے قبلہ سمتِ کعبہ ہے۔ یعنی اپنے علم اور تجربہ کو استعمال کرتے ہوئے حتی المقدور بیت اللہ کی صحیح سمت میں کھڑا ہونا ان کے لیے فرض ہے۔ آگے صحیح استقبال یا انحراف کا معاملہ سپردِ خدا ہے۔

اس لیے فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں بیابان میں تمام ذرائعِ معلوماتِ قبلہ مفقود ہوں یعنی میسر نہ ہوں، تو مصلّی (نمازی) کے لیے لازمی ہے کہ تحرّی (یعنی اچھی طرح سوچ بچار) سے کام لے، جس طرف اس کا ظن غالب رہا، وہی اس کے لیے سمتِ قبلہ ہے، یہاں تک کہ چار رکعات نماز میں اگر ہر رکعت کے دوران اس کی سوچ بدلتی رہی تو اس کے لیے لازم ہے کہ اسی سمت رخ پھیرتا رہے اور یوں چار رکعت نماز چاروں طرف پڑھ کر فاینما تولوا فثم وجه الله، پر سو فیصد عمل پیرا رہے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنے زمانے اور آس پاس کے حالات کے مطابق اپنی طاقت اور معلومات کی مقدار تعیینِ سمتِ قبلہ کا مکلّف ہے۔ یہ ہر گز جائز نہیں کہ

لاابالیت اپنا کر اپنے ظن و گمان کی بنا پر مسجد کسی بھی سمت بنائی اور نماز شروع کی، اس خوش فہمی کی بناء پر کہ چلو قبلہ کوئی تنگ جگہ نہیں بلکہ وسیع ہے۔ ٹھیک ہے کہ قبلہ وسیع تر جگہ ہے لیکن یہ تنگ ترین بھی ہے کیونکہ وسعتِ قبلہ کا دارومدار مقدارِ علم پر ہے۔ جتنا علم کم ہوگا اتنا ہی قبلہ وسیع ہوگا اور جتنا علم زیادہ ہوتا رہے گا تو اتنا قبلہ تنگ ہوتا رہے گا۔

i- مثلاً کوئی شخص صحرا میں بھٹک گیا ہے، قبلے کا کوئی اتا پتا نہیں تو اس کے لیے تحری لازمی ہے۔[1] اس کا قبلہ جہت تحری ہے۔ یعنی فاینما تولوا فثم وجه اللّٰہ چار سمتوں میں سے جس سمت پر اس کا ظن غالب رہا اس سمت رخ کر کے نماز پڑھے گا۔

ii- دوسرے نمبر پر وہ شخص ہے کہ آباد علاقے میں رہتا ہے۔ اس کو اتنا معلوم ہے کہ چار سمتوں میں سے سمتِ مغرب یہاں کا قبلہ ہے۔ سمتِ مغرب چونکہ 90 درجے ہے لیکن اس کو یہ علم ہی نہیں کہ قبلہ کون سے درجے پر ہے؟ نہ کوئی ایسا عالم اس علاقے میں موجود ہے کہ جس سے عین سمتِ قبلہ دریافت کیا جائے اور نہ کوئی آلہ قبلہ نما وغیرہ موجود ہے کہ اس کے ذریعہ سے صحیح سمت کا پتہ چلا سکے تو ایسے شخص کے لیے پوری سمتِ مغرب ہی قبلہ ہے۔ اپنے ظن غالب کے تحت علاقائی لوگ جس ڈگری کو قبلہ بنائیں گے، وہی ان کا قبلہ ہوگا۔

iii- تیسرا وہ شخص ہے کہ سمت قبلہ معلوم کرنے کا ماہر ہے یا ماہر نہیں لیکن اس کے پاس یا کسی اور کے پاس قبلہ نما ہے جس کے ذریعے تعیین سمت کر سکتا ہے یا اس علاقے میں کوئی ماہر فن موجود ہے جس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے تو ایسے شخص کا قبلہ تنگ ترین ہے یعنی صرف وہی درجہ اس کا قبلہ ہے جو اس کو علم و تجربہ یا آلہ کے ذریعے معلوم ہو جائے۔ اس سے ذرہ برابر میلان" انحراف عن القبلة" تصور ہوگا اور نماز فاسد ہوگی۔

---

[1]- اچھی طرح یاد کرنا، دماغ پر زور ڈال کر غالب رائے کو اختیار کرنا۔

دیکھئے ''تحری'' جو کہ بالکل ظنی چیز ہے لیکن کوئی شخص اگر اپنی تحری والی سمت چھوڑ کر دوسری طرف نماز پڑھے گا یا بلا تحری نماز پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہوگی، اگرچہ نماز اس نے صحیح قبلہ کی طرف پڑھی ہو۔اب یہ کوئی عقل کی بات ہوگی کہ ماہرین فن کی رہنمائی اور قبلہ نما کی نشاندہی کو چھوڑ کر اپنے ظن اور اٹکل پچو طریقے سے کوئی سادرجہ سمتِ قبلہ متعین کیا جائے۔حالانکہ یہ آلات کسی حد تک یقین کا درجہ رکھتے ہیں اور یقینی ذرائع کو چھوڑ کر ظنی اور وہمی باتوں میں پڑنا قرین انصاف نہیں ہے۔

یہ بات مسلّمہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس مسئلے میں بڑی نرمی اپنائی ہے کیونکہ لایکلف اللہ نفساً الأوسعها[1] ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔علوم عقلیہ، فلکیات اور جغرافیہ کی ایجاد تو قدیم زمانے سے ہے لیکن یہ علوم متقدمین کے زمانے میں اتنے مشہور معروف نہیں تھے کہ دنیا کے چپے چپے میں ان کے ماہرین موجود ہوں اور نہ قبلہ نما جیسے ارزاں و آسان فہم آلات ایجاد ہوئے تھے کہ جس کے ذریعے ہر چھوٹا بڑا اپنا مخصوص سمتِ قبلہ متعین کرتا۔اس لیے ان فقہاء کرام نے ''عزیمت'' کی بجائے ''رخصت'' کو ترجیح دی۔اس کا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ آج ہم عزیمت پر کسی حد تک عمل کرنے کے قابل ہونے کے باوجود رخصت کے ساتھ چمٹے رہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ان علوم و آلات سے استفادہ کریں، ان کے استعمال کو اَنا کا مسئلہ نہ بنائیں کیونکہ انانیت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

پرانی مسجدوں میں جس حد تک گنجائش ہے درستگی کی جائے۔اور درستگی اگر ناممکن ہے یا ممکن ہے مگر انتشار کا خدشہ ہے تو مصلحت سے کام لینا چاہیے۔جہاں تک نئی مسجدوں کی تعمیر ہے تو سب سے پہلے قبلہ نما کی مدد سے سمتِ قبلہ کی تعیین کی جائے اس کے بعد بنیادیں استوار کی جائیں۔اس طرح رفتہ رفتہ ہر علاقہ کے مسلمان ایک ہی سمتِ قبلہ پر متفق و متحد ہو

---

[1]-البقرہ:2آیت:286

جائیں گے اور قیاس آرائیوں کا سلسلہ و اختلاف از خود دور ہو جائے گا۔ قبلہ نما ایک ایسا سستا اور آسان فہم آلہ ہے کہ ہر جگہ دستیاب بھی ہے اور عالم و جاہل ہر شخص اپنے علاقے کے معلوم نمبر پر لگا کر صحیح سمت دریافت کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کے استعمال میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ خرچ۔

دیکھئے جب تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں تو اوقاتِ نماز اور روزہ کے لیے رات کو ستاروں کے حساب سے وقت دریافت کیا جاتا تھا اور دن کو سورج کی روشنی میں سایہ کی پیمائش سے اوقات معلوم کئے جاتے تھے لیکن جونہی گھڑیاں ایجاد ہوئیں تو ہر چھوٹے بڑے کی کلائی پر گھڑی چمکتی نظر آئی۔ مسجدوں میں انواع واقسام کے وال کلاک لگ گئے۔ ہر نماز کے لیے وقت گھنٹوں اور منٹوں میں مقرر ہوا۔ بایں ہمہ کسی عالم دین نے لب کشائی نہیں کی کہ " فقہاء کرام نے تو اوقات کی پہچان کے لیے زوال، مثل، مثلین، شفق احمر اور ابیض وغیرہ ،، مقرر کئے ہیں۔ یہ گھنٹے اور منٹ کی بدعت کہاں سے آگئی؟ خیر القرون میں تو یہ عمل نہیں تھا۔ آلات جدیدہ کا مسلمان ہر گز مکلف نہیں ہے۔ ان تکلفات کی ضرورت کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اب سیدھی سی بات ہے کہ قبلہ نما کے استعمال سے بھی کوئی قیامت نہیں آئے گی بلکہ یہ تو ایجاد ہی مسلمانوں کی سہولت اور یکجہتی کے لیے کیا گیا ہے۔ اس سے اجتناب کوئی تقویٰ نہیں بلکہ کفرانِ نعمت اور افتراق امت کا سبب ہے۔

بعض حضرات معترض ہیں کہ اس آلے کا کیا اعتبار ہے؟ یہ تو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر گھڑی پر کیا اعتبار ہے کہ اوقات نماز اس کے ساتھ منتھی کیے جائیں؟ تحقیقی جواب یہ ہے کہ قبلہ نما کسی دیہاتی لوہار کا بنا ہوا آلہ نہیں بلکہ ماہرین فن کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اصول ریاضی کے تحت جو سمت قبلہ متعین کیا جاتا ہے، یہ آلہ اس کے عین مطابق ہے۔ میرا ذاتی تجربہ اس پر شاہد ہے۔ جس وقت ہمارے گاؤں کی مسجد تعمیر ہو رہی تھی تو میں نے سب سے پہلے دائرہ ہندیہ کے ذریعے سمتِ قبلہ متعین کیا۔ پھر اس کے بعد قبلہ نما

لگایا گیا۔ دونوں کی نشاندہی برائے سمتِ قبلہ متحد رہی۔ پھر بعد میں 27 مئی اور 16 جولائی کو جب سورج بیت اللہ کے عرض پر ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ میں عین استواء کے وقت دنیا کی ہر چیز کا سایہ سمتِ قبلہ کی نشاندہی کرتا ہے، اس کا تجربہ بھی میں نے کیا جو کہ سابقہ تحقیق کے عین مطابق رہا۔

اسی طرح اور بھی سینکڑوں لوگوں نے تجربے کئے ہوں گے۔ اب ایک یقینی کام کو چھوڑ کر خیالی گھوڑے دوڑانا سراسر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انابت نصیب فرمائیں۔ انانیت سے بچائیں۔ آمین!

اہم نکتہ:۔ ایک نکتہ قابل وضاحت ہے کہ چار سو (400) نمبر والے قبلہ نما میں ہر شہر و علاقہ کے لیے مخصوص نمبر بالتفصیل موجود ہیں یعنی اس کے ساتھ موجود کتابچہ میں درج ہیں اور آسانی کے ساتھ ہر شہری اپنی سمت معلوم کر سکتا ہے لیکن چالیس (40) نمبر والے قبلہ نما میں حیدر آباد سے اوپر شمالی پاکستان کے لیے صرف تیرہ (13) نمبر درج ہے۔ اس میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ شمالی علاقہ جات چلاس، گلگت وغیرہ میں 13 نمبر استعمال کرنا چاہیے لیکن ہزارہ ڈویژن وغیرہ درمیانی علاقوں میں 12 نمبر بلکہ پونے بارہ پر سوئی کو اٹکانا چاہیے تاکہ سمت قبلہ میں معمولی تجاوز بھی نہ ہونے پائے۔ علم حساب کی رو سے بھی یہی عدد آتا ہے۔ مثلاً 400 میں اگر 120 نمبر ہے تو 40 میں کیا ہوگا؟ 12=120×40/400 واضح رہے کہ 400 نمبر والے قبلہ نما میں ہزارہ ڈویژن کے لیے 120 نمبر مختص ہے۔ اس لیے یہ ہندسہ اس مثال میں استعمال کیا گیا ہے۔

فقہائے کرام نے سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے مختلف طریقے بتائے ہیں مثلاً قطبی تارے کی وساطت سے یا سورج کی روشنی میں سایہ کی مدد سے وغیرہ وغیرہ۔ (رد مختار اور دیگر کتب فقہ میں اس کی تحقیق و تدقیق موجود ہے جو مطالعہ کرنے کی چیز ہے۔)

دور جدید میں خصوصاً علامہ **محمد موسیٰ خان** صاحب مرحوم، مفتی **محمد شفیع** صاحب مرحوم، مفتی **رشید احمد** صاحب مرحوم وغیرہ حضرات نے بہت تفصیل سے اپنی تصنیفات میں یہ مسئلہ اجاگر کیا ہے اور مختلف طُرق برائے تعیین قبلہ تحریر کئے ہیں۔ یہاں صرف دو آسان سے طریقے درج کئے جاتے ہیں جن کو ہر سطح و معیار کا آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور استعمال بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ ذرا غور و تدبر سے کام لے۔

سمت قبلہ معلوم کرنے کے طریقے

پہلا طریقہ:

حکماء ہند کا ایجاد کردہ دائرہ ہندیہ کا عمل ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہموار سطح زمین پر ایک دائرہ بنا کر مرکزِ دائرہ میں لکڑی یا کسی کیل کا مقیاس عموداً گاڑ دیں۔اس بات کا خیال رکھیں کہ مقیاس اور زمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہو جائے یعنی مقیاس بالکل سیدھا 90 ڈگری پر کھڑا ہو کیونکہ مقیاس اگر ترچھا ہو تو عمل صحیح نہیں رہے گا۔ پیمانہ یا دھاگے کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مقیاس کا سرا شمالاً جنوباً شرقاً غرباً دائرے سے برابر فاصلے پر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے ورنہ ترچھا۔ مقیاس کم از کم اتنا ہو کہ صبح اور عصر کے وقت اس کا سایہ دائرے سے خارج ہو اور دوپہر سے قبل اس کا سایہ دائرے کے اندر داخل ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ مقیاس ربع قطر کے برابر ہو۔

صبح کے وقت دائرے کے پاس بیٹھ کر مشاہدہ کریں کہ جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے مقیاس کا سایہ آہستہ آہستہ گھٹتا رہتا ہے تاآنکہ جب سایہ دائرے کے اندر داخل ہوتے وقت لکیرِ دائرہ پر آجائے تو یہاں نقطہ لگائیں یہ "مدخل" کہلاتا ہے۔ پھر بعد از ظہر دوبارہ دائرے کے پاس آکر مشاہدہ کریں۔اب سورج مغرب کو ہو گا اور سایہ مشرق کی طرف بڑھتا رہے گا۔ جونہی سایہ دائرے سے باہر نکلتے وقت لکیر دائرہ پر آجائے تو یہاں بھی نقطہ لگائیں یہ "مخرج" کہلاتا ہے۔اب پرکار کو نقطہ مدخل پر رکھ کر جانب شمال ایک قوس لگایئے اور پھر نقطۂ مخرج پر پرکار رکھ کر ایک قوس جانبِ شمال اس طرح لگائیں کہ دونوں کا آپس میں تقاطع ہو جائے۔اب نقطۂ تقاطع اور مرکز دائرہ بذریعہ پیمانہ آپس میں ملائیں تو اس خط سے دائرہ دو برابر حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ یہ شمالاً جنوباً خط اس علاقے کا طول بلد یعنی خطِ نصف النہار ہے۔

اب دوسرا ایک خط شر قاً غر باً دائرے کے مرکز پہ اس طرح گزاریں کہ دونوں کے ملاپ سے چار زاویئے قائمے بن جائیں۔ یہ خط اس علاقے کا عرض بلد یعنی خطِ اعتدال ہے۔

دائرہ ہندیہ

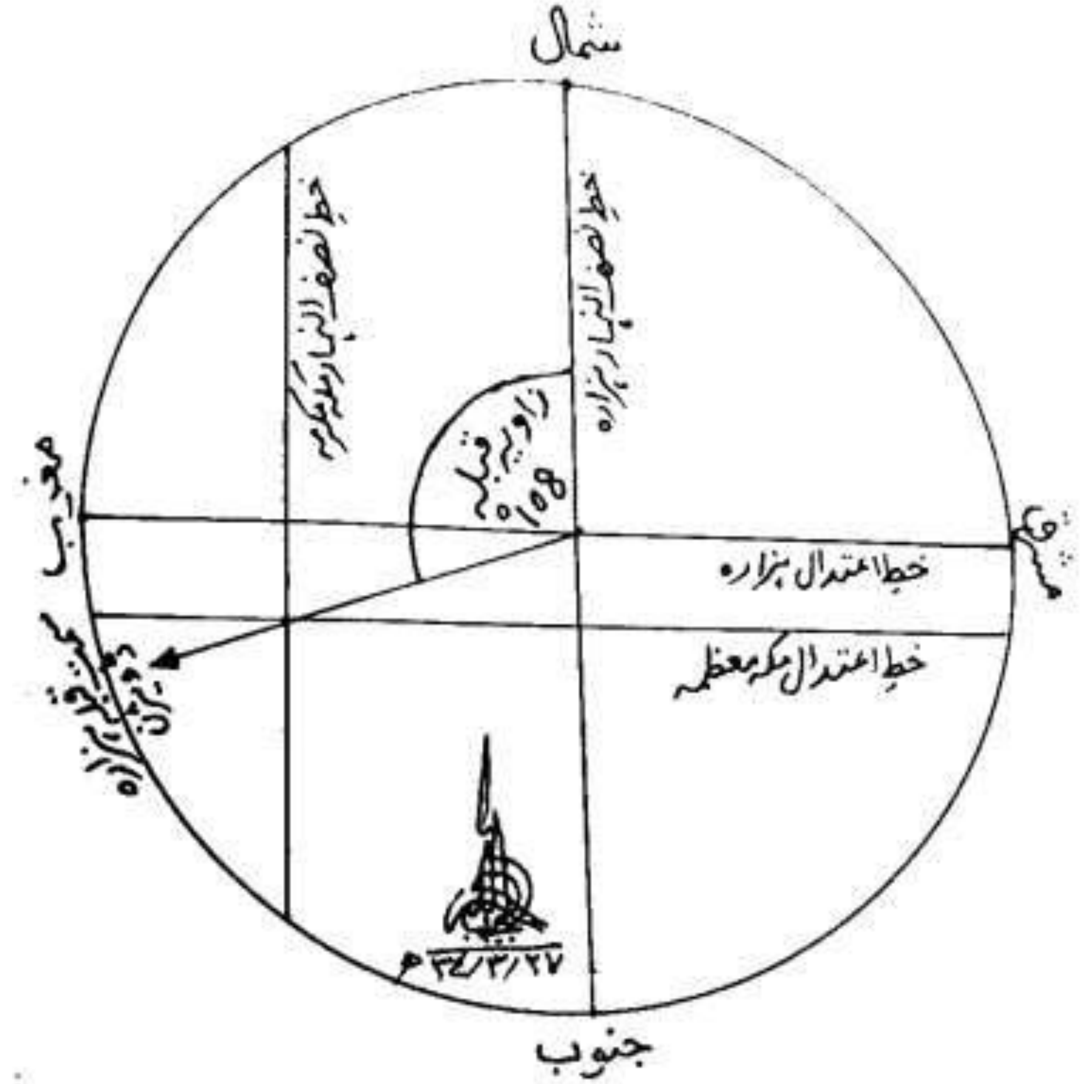

قبلہ نما برائے بٹگرام (ہزارہ)

موسم سرما

مہینے	یکم جنوری	یکم فروری	یکم نومبر	یکم دسمبر
صف	11:02	11:18	10:52	10:50

موسم بہار و خزاں

مہینے	یکم مارچ	یکم اپریل	یکم ستمبر	یکم اکتوبر
صف	11:26	11:29	11:28	11:07
قبلہ	16:54	15:50	15:32	16:32

موسم گرما

مہینے	یکم مئی	یکم جون	یکم جولائی	یکم اگست
قبلہ	05:31	06:16	06:29	05:56
صف	11:32	11:40	11:47	11:44
قبلہ	14:53	14:08	14:00	14:36

نقشہ ہذا میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ان اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں سایہ قبلہ رخ یا صف رخ پڑتا ہے اوقات مذکورہ میں سایہ دیکھ کر آسانی سے سمت قبلہ کی تعیین کی جاسکتی ہے

پھر جس علاقے کا رُخِ قبلہ معلوم کرنا ہو تو اس کے طول بلد و عرض بلد اور مکہ مکرمہ کے طول و عرض میں فرق معلوم کر کے مزید دو خطوط اسی نسبت سے کھینچ لیجئے مثلاً الائی ہزارہ کا طول بلد 73 درجے، 5 دقیقے اور عرض بلد 34 درجے، 30 دقیقے ہے۔ مکہ معظمہ کا طول بلد 39 درجے، 45 دقیقے اور عرض بلد 21 درجے، 30 دقیقے ہے۔ دونوں کا فرق طولاً 33 درجے، 20 دقیقے اور عرضاً 13 درجے ہے۔

اب اس فرق کی نسبت سے خطِ نصف النہار کے متوازی غرباً 33 درجے، 20 دقیقے کے فاصلے پر ایک اور خط کھینچ لیں۔ یہ خط اہل مکہ کے سروں پر سے گزرتے ہوئے ان کا طول بلد ظاہر کرتا ہے۔ دوسرا خط جنوباً خطِ اعتدال کے متوازی 13 درجے کے فاصلے پر کھینچ لیں۔ یہ اہل مکہ کے سروں پر گزرنے کے علاوہ ان کے عرض بلد کی نشاندہی کرتا ہے۔ جہاں ان دونئے خطوط کا تقاطع ہوتا ہے، دائرہ کے مرکز سے یہاں تک ایک سیدھا خط کھینچ لیں یہی خط یہاں کی سمتِ قبلہ بتاتا ہے جیسا کہ شکل بالا سے ظاہر ہے۔

اس شکل میں خطِ قبلہ اور خطِ طول بلد آلائی کے درمیان تقریباً 108 درجے کا زاویہ بنتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ علاقہ آلائی کا قبلہ نقطہ شمال تا جنوب تقریباً 108 ڈگری پر واقع ہے۔ دائرہ ہندیہ کا عمل سال بارہ مہینے میں ہر روز ہو سکتا ہے۔ اور اس کی مدد سے پوری دنیا کے ہر ملک اور شہر کی سمتِ قبلہ معلوم کی جا سکتی ہے نیز دائرہ ہندیہ کے پندرہ سولہ فوائد اور بھی ہیں۔[1]

[1] ۔ تفصیل کے لیے امام فن علامہ محمد موسیٰ خانؒ صاحب کی کتاب ''فلکیات جدیدہ'' کا صفحہ 209 تا 212 مطالعہ کیجئے۔

دوسرا طریقہ:

ہر سال 27 مئی اور 16 جولائی کو سورج بیت اللہ کے عرض پر ہوتا ہے۔ اس موقع پر مکہ مکرمہ میں جب عین استواء کا وقت ہوتا ہے تو دنیا میں جہاں کہیں سورج چمکتا ہو گا وہاں ہر چیز کا سایہ ٹھیک سمت قبلہ کو بتائے گا بشرطیکہ وہ چیز 90 درجے زاویہ پر سیدھی کھڑی ہو کیونکہ اس عین دوپہر کے وقت سورج اور بیت اللہ کے درمیان وہی نسبت قائم ہو جاتی ہے جو چھت پر لٹکے ہوئے بلب اور زمین پر اس کے بالمقابل نقطے میں ہوتی ہے۔ اس بلب کے نیچے کمرے میں ہر سمت جو چیز عمودی کھڑی ہو گی اس کا سایہ بلب کے نیچے نقطے کی سیدھ میں ہو گا۔

بالکل اسی طرح مذکورہ بالا تاریخوں میں مکہ مکرمہ کے عین استوائی وقت پر بیرون دنیا میں چاروں طرف ہر عمودی چیز کا سایہ بیت اللہ کی سیدھ میں ہو گا۔ یعنی اس سایہ پر پیمانہ رکھ کر لکیر کھینچ لیں پھر اس لکیر کی سیدھ میں سورج کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جائے تو آپ کا منہ بالکل بیت اللہ کی طرف ہو گا۔

جس وقت سورج مکہ مکرمہ کے عین اوپر ہو گا اس وقت کسی دوسرے ملک میں کیا وقت ہو گا؟ یہ معلوم کرنے کے لیے طریقہ یہ ہے کہ اس ملک کے معیاری طول بلد سے مکہ معظمہ کا مقامی طول بلد منفی کر کے جو درجات بچ جائیں ان کو چار سے ضرب دیں (کیونکہ سورج ہر درجہ چار منٹ میں طے کرتا ہے) پھر حاصل ضرب کو ساٹھ (60) پر تقسیم کریں تو گھنٹوں اور منٹوں میں وقت نکلے گا۔ اب اس وقت کو مکہ مکرمہ کے استوائی وقت میں جمع کر کے جو وقت بنے گا اسی وقت پر مقیاس کھڑا کریں اور سایہ کی سیدھ میں بیت اللہ کا رُخ متعین کیجئے۔

مثلاً پاکستان کا معیاری طول بلد 75 درجے منفی مکہ مکرمہ کا طول بلد 39 درجے 45 دقیقے۔ جیسے 75.00-39.45=35.15 اب ان سوا پینتیس درجوں کو چار میں ضرب دینے سے 141 جواب آیا پھر 141 کو 60 پر تقسیم کرنے سے 2 گھنٹے 21 منٹ جواب آیا۔ 27 مئی کو مکہ مکرمہ کا مقامی وقت نصف النہار 11 بج کر 54 منٹ میں 2 گھنٹے 21 منٹ

جمع کرنے سے 14 بج کر 15 منٹ یعنی سوادو بجے کا وقت بن گیا۔ اب 27 مئی کو عین اس وقت یعنی 2 بج کر 15 منٹ پر پورے پاکستان میں ہر عمودی چیز کا سایہ قبلہ رُخ ہو گا۔

16 جولائی کو مکہ مکرمہ کے مقامی وقت استواء 12 بج کر 2 منٹ میں 2 گھنٹے 21 منٹ جمع کرنے سے 14 بج کر 23 منٹ یعنی 2 بج کر 23 منٹ کا وقت بن جاتا ہے۔ بالکل اسی ٹائم یعنی 2 بج کر 23 منٹ پر پورے پاکستان میں ہر عمودی چیز کا سایہ بجانب قبلہ ہو گا۔

چاروں سمت قبلہ والا مقام :

جس طرح خانہ کعبہ کے اندر نمازی چاروں سمت نماز پڑھ سکتا ہے اس طرح دنیا میں ایک اور جگہ ہے جہاں کا قبلہ چاروں سمت ہے۔ یہ مقام وہ ہے جو مکہ مکرمہ کے تحت القدم واقع ہے یعنی قطرِ ارض کی ایک طرف پر مکہ مکرمہ اور دوسری طرف پر یہی مقام ہے۔ چونکہ زمین گول ہے اور اس مقام کا فاصلہ مکہ معظمہ سے چاروں سمت برابر ہے یعنی 180 درجہ ہے، اس واسطے وہاں پر سمت قبلہ کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ جدھر بھی وہاں کا باشندہ رُخ کرے گا وہ روبقبلہ ہو گا۔ یہی حکم چاند پر خلانورد کا ہے۔

(کمال قال الشیخ موسیٰ خانؒ)۔

ملحوظہ (نوٹ):

مکہ معظمہ کے تحت القدم واقع یہ مقام ابعد گرینچ کے حسابِ طول بلد کے مطابق تقریباً 140 درجے غرباً اور عرض بلد کے لحاظ سے 21.5 درجے جنوباً واقع ہے۔ اس مقام کے استوائی وقت کے ذریعے دنیا کے ان ممالک کی سمت قبلہ درست کی جاتی ہے جو مکہ مکرمہ کے دائرہ افق سے باہر ہیں۔ مثلاً امریکہ، کینیڈا وغیرہ۔ ان ممالک میں تخریج سمتِ قبلہ کے لیے 28 نومبر اور 14 جنوری کی تاریخیں مختص ہیں۔ ان دونوں تاریخوں میں جب سورج اس مقامِ ابعد کے عین اوپر پہنچے گا تو اس وقت ہر عمودی چیز کا سایہ عین سمت قبلہ کی طرف ہو گا۔ 14 جنوری کو گرینچ کے معیاری وقت کے مطابق رات 9 بج کر 29 منٹ اور 28 نومبر کو رات 9

بج کر 8 منٹ پر مقامِ ابعد کے اوپر ہو گا۔ آسانی کے لیے گرینچ کا وقت لکھا گیا ہے مطلوبہ مقامات والے اسے دیکھ کر خود اندازہ لگالیں کہ ان کے ہاں اس وقت کیا وقت ہو گا؟

مثلاً میکسیکو میں 28 نومبر کو سہ پہر 2 بج کر 8 منٹ اور 14 جنوری کو سہ پہر 2 بج کر 29 منٹ ہوں گے کیونکہ میکسیکو گرینچ سے 105 درجے غرباً واقع ہے۔ جو طریقہ پہلے استعمال کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مقامی طول بلد اور مقامِ مطلوب کے معیاری طول بلد میں فرق نکال کر درجوں کو وقت میں تبدیل کیا جائے تو بالکل وہی طریقہ یہاں استعمال ہو گا۔

مثلاً مقامِ ابعد کا طول منفی میکسیکو کا طول

35 = 105 - 140

140 = 4 × 35

140÷60=2 گھنٹے 20 منٹ

14 جنوری کو مقامِ ابعد کا مقامی وقت نصف النہار 12 بج کر 9 منٹ

میکسیکو کے لیے وقت قبلہ:= 12 بجکر 9 منٹ جمع 2 بجکر 20 منٹ مساوی 14 بجکر 29 منٹ یعنی 14 جنوری کو 2 بجکر 29 منٹ پر میکسیکو میں ہر عمودی چیز کا سایہ قبلہ رُخ ہو گا۔

28 نومبر کو مقامِ ابعد کا مقامی وقت نصف النہار 11 بجکر 48 منٹ میکسیکو کے لیے وقت قبلہ 11 بجکر 48 منٹ جمع 2 گھنٹے 20 منٹ مساوی 14 بجکر 8 منٹ یعنی 28 نومبر کو 2 بجکر 8 منٹ پر میکسیکو میں عمودی چیز کا سایہ روبہ قبلہ ہو گا۔

یہ چند اہم طریقے ہیں جن کی مدد سے سمت قبلہ کا صحیح تعین کیا جاسکتا ہے۔

استبلاء الذکآء باستعلاء الذُکآء

زاویہ سورج یعنی سورج کی بلندی معلوم کرنا

سورج کی بلندی سے یہ مراد ہے کہ کسی خاص وقت مطلوبہ پر علاقے میں سورج کی شعاعیں زمین کے ساتھ کتنے درجے کا زاویہ بناتی ہیں۔ سورج کی انتہائی بلندی معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

طریقۂ اوّل:

عین استوا کے وقت ہموار زمین پر ایک سلاخ بالکل سیدھی اس طرح کھڑی کیجئے کہ اس کے چاروں اطراف سے سطح زمین کے ساتھ زاویہ قائمہ بنے۔ پھر اس سلاخ کے سایہ کی پیمائش کر کے اس سایہ کی لمبائی برابر ایک خط مستقیم کسی سادہ کاغذ پر کھینچئے۔ اب اس خط مستقیم کے کونے پر اس سلاخ کی لمبائی برابر ایک اور سیدھا خط اس طرح کھینچئے کہ دونوں کے ملاپ سے زاویہ قائمہ بنے۔ پھر اگلے دونوں سروں کو ایک تیسرے خط کے ذریعے آپس میں ملایئے تو یہ مثلث بن جائے گا۔ یہ تیسرا خط شعاع شمس ہے۔ اس تیسرے خط اور سایہ کے ملاپ سے جتنے درجوں کا زاویہ بنے گا وہی درجات سورج کی بلندی ہو گی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اشکال سے واضح ہوتا ہے کہ 21 جون کو سورج کی کرنیں سطح زمین کے ساتھ 79 درجے کا زاویہ بناتی ہیں۔ 21 مارچ اور 22 ستمبر کو 55.5 درجے اور 21 دسمبر کو 32 درجے زاویہ بناتی ہیں۔

مثلث کے نقشے

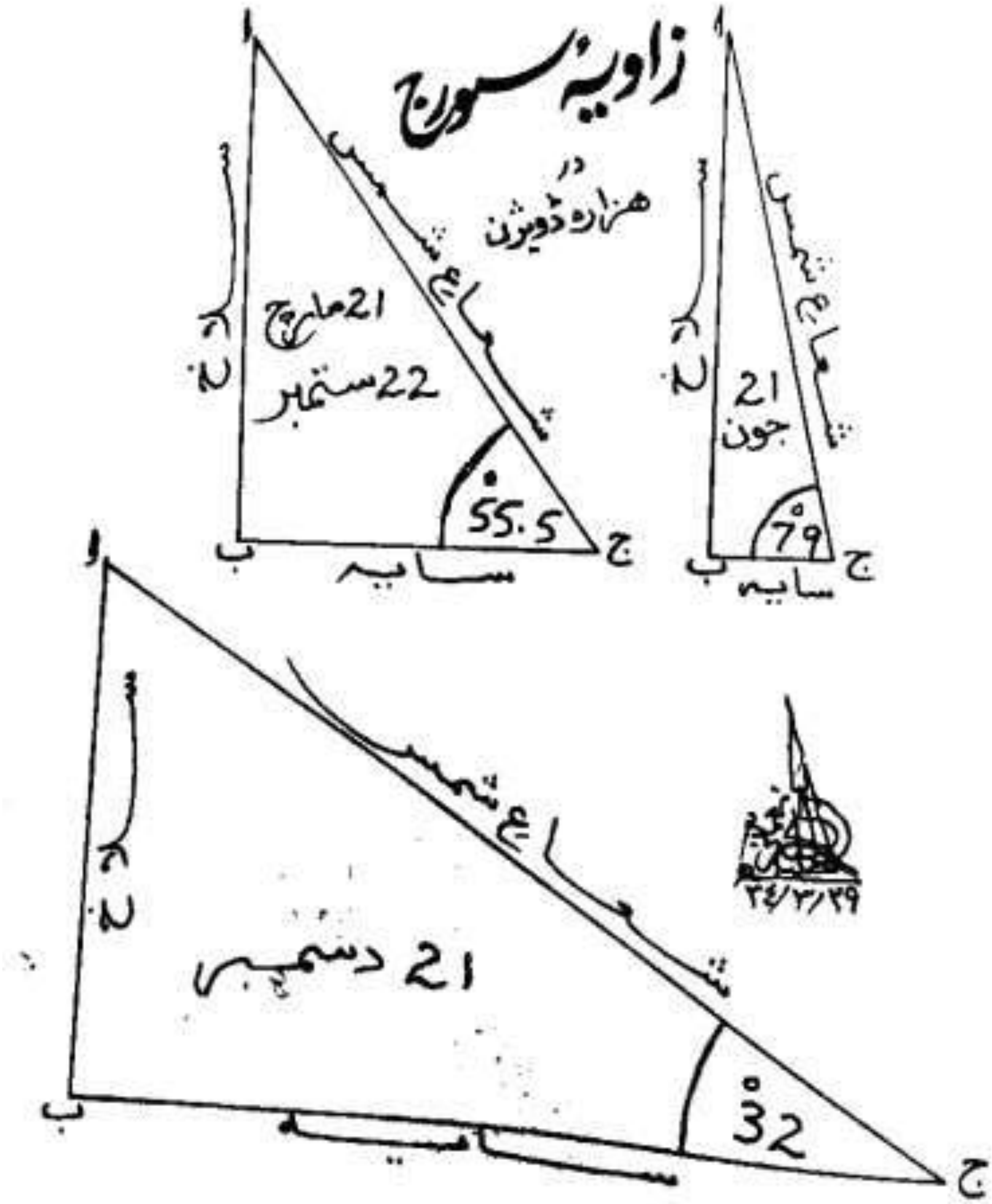
زاویہ سورج
در
ہزارہ ڈویژن
شعاع شمس
21 مارچ
22 ستمبر
55.5
سایہ
21
جون
79
21 دسمبر
32
34/3/39

مثلاً۔ ا،ب،ج ایک مثلث ہے جس میں ا،ب سلاخ کی لمبائی ہے۔ ب،ج سایہ کی لمبائی ہے اور ج،ا، شعاع شمس ہیں۔ زاویہ ج کے درجے سورج کی بلندی ہے۔ جہاں یہ عمل ہوتا ہے وہاں کی بلندی متصور ہوتی ہے۔ مثلاً یہ عمل بمقام الائی (ہزارہ) ہوا ہے اس لیے ان تاریخوں میں سورج علاقہ آلائی میں تقریباً اِس زاویے پر ہوگا۔

چونکہ سورج سال کے بارہ مہینے مختلف برجوں میں رہتا ہے، اس لیے روزانہ سورج کے زاویہ اور سایہ کی لمبائی میں فرق پڑتا رہتا ہے جیسا کہ اشکال بالا سے ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر 21 مارچ اور 22 ستمبر کو سورج عین خط استواء کے اوپر ہوتا ہے۔ اس وقت الائی (ہزارہ) میں سورج کی بلندی 55.5 درجے ہوتی ہے اور دوپہر کے وقت ہر چیز کا سایہ تقریباً 3:2 کی نسبت سے ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی اونچائی اگر تین انچ ہوتی ہے تو اس کا سایہ دو انچ ہوتا ہے۔

21 جون کو سورج خط استواء سے بجانب شمال 23.5 درجے کے فاصلے پر واقع خط سرطان پر ہوتا ہے۔ اَلائی چونکہ 34.5 درجے عرض بلد شمالی پر واقع ہے اس لیے سورج یہاں کے سمت الرأس سے گیارہ درجے بجانب جنوب واقع ہوتا ہے اور سورج کی کرنیں 79 درجے زاویہ بناتی ہیں۔ دوپہر کو ہر چیز کا سایہ تقریباً 5:1 کی نسبت سے ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی اونچائی اگر پانچ انچ ہوتی ہے تو سایہ ایک انچ ہوتا ہے۔ 21 دسمبر کو سورج خط استواء سے بجانب جنوب 23.5 درجے کے فاصلے پر واقع خط جدی کے اوپر ہوتا ہے۔ اس دن سورج یہاں آلائی میں 32 درجے زاویہ پر ہوتا ہے اور سایہ عین استواء کے وقت ہر چیز کا تقریباً ڈیڑھ گنا ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی اونچائی اگر چار انچ ہوتی ہے تو اس کا سایہ تقریباً چھ انچ سے بھی کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

اس موسم میں سورج یہاں کے سمت الرأس سے 58 درجے دور بجانب جنوب ہوتا ہے۔ اس کی کرنیں 32 درجے زاویہ کی حد تک ترچھی پڑتی ہیں۔ اس لیے یہاں سخت سردی کا موسم ہوتا ہے۔

طریقۂ ثانی:

جس دن آفتاب کی انتہائی بلندی معلوم کرنی ہو تو اسی دن بُعد البلد از مدار شمس (سورج سے کسی مقام کے فاصلے) کو 90 درجے سے تفریق کرو، حاصل تفریق غایت بلندی ہوگی۔

1- مثلاً راولپنڈی میں 21 جون کو غایت بلندی دریافت کرنا ہے تو اس دن سورج کا مدار خط سرطان ہوگا۔ خط سرطان خط استواء سے 23.5 درجے شمالاً واقع ہے اور راولپنڈی 33.5 درجے شمالاً واقع ہے۔ پس معلوم ہوا کہ راولپنڈی کا بُعد (فاصلہ) خط سرطان سے 10 درجے شمالاً ہے۔ 10 کو 90 سے تفریق کرو تو حاصل تفریق 80 ہوگا لہٰذا ثابت ہوا کہ 21 جون کو راولپنڈی میں سورج کا انتہائی ارتفاع 80 درجے ہے۔

2- اگر 21 مارچ کو کراچی میں غایت ارتفاع معلوم کرنا ہو تو 21 مارچ کو آفتاب کا مدار خط استواء ہوتا ہے اور کراچی کا عرض بلد 25 درجے شمالاً ہے یعنی کراچی کا بُعد (فاصلہ) از خط استواء 25 درجے ہے۔ یہ عدد 90 سے تفریق کرو تو حاصل تفریق 65 درجے آئے گا۔ پس معلوم ہوا کہ 21 مارچ کو کراچی میں سورج کی انتہائی بلندی 65 درجے ہوگی۔

3- 22 دسمبر کو جبکہ مدار شمس خط جدی ہوتا ہے اگر مکہ مکرمہ میں غایت ارتفاع معلوم کرنا ہو تو خط جدی خط استواء سے 23.5 درجے جنوباً واقع ہے اور مکہ معظمہ تقریباً 21.5 درجے شمالاً واقع ہے۔ دونوں کا مجموعہ 45 ہی آئے گا۔ یہ عدد 90 سے منفی کرنے کے بعد 45 بچتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ 21 دسمبر کو مکہ مکرمہ میں سورج کی غایت بلندی 45 درجے ہوگی۔

فوائد:

1۔ سورج کی بلندی معلوم کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس بلندی کی بدولت ہم کسی علاقے کا بُعد (فاصلہ) از خط استواء یعنی عرض بلد معلوم کر سکتے ہیں جیسا کہ قطب تارے کی بلندی سے عرض بلد کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یعنی قطبی تارا جس علاقے میں جتنی بلندی پر ہو گا وہی اس علاقے کا عرض بلد ہو گا۔

سورج کی بلندی سے عرض بلد معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سورج کی انتہائی بلندی 90 درجے سے اس علاقے کی 21 جون والی بلندی کو تفریق کریں۔ بقیہ کو 23.5 میں جمع کریں۔ یہ مطلوبہ علاقے کا عرض بلد ہو گا۔ یا 90 درجے سے 21 مارچ والی بلندی منفی کریں تو باقی ماندہ ہندسہ اس علاقے کا عرض بلد ہو گا۔ یا 90 سے 21 دسمبر والی بلندی نفی کریں پھر اس سے 23.5 بھی تفریق کریں تو بقیہ اس علاقے کا عرض بلد ہو گا۔

کلیہ برائے عرض بلد:

سورج کی انتہائی بلندی منفی مطلوبہ مقام کی 21 جون والی سورج کی بلندی جمع 23.5

یا

سورج کی انتہائی بلندی منفی مطلوبہ مقام کی 21 مارچ والی سورج کی بلندی۔

یا

سورج کی انتہائی بلندی منفی مطلوبہ مقام کی 21 دسمبر والی سورج کی بلندی منفی 23.5

مثال:

الائی (ہزارہ) میں 21 جون کو سورج کی بلندی 79 تھی۔ عرض بلد معلوم کریں؟

حل: سورج کی انتہائی بلندی=90

الائی (ہزارہ) میں 21 جون کو سورج کی بلندی=79

34.5 = 23.5 + 11 = 79 – 90

یا

34.5 = 55.5 – 90

یا

34.5=23.5-58=32-90

پس معلوم ہوا کہ علاقہ آلائی خط استواء سے 34.5 یعنی 34 درجے اور 30 دقیقے عرض بلد شمالی پر واقع ہے۔ کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ 21 جون کو آلائی میں سورج 79 درجے زاویہ پر ہوتا ہے۔ 21 مارچ اور 22 ستمبر کو 55.5 درجے پر اور 21 دسمبر کو 32 درجے ارتفاع پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہی معلوم ہندسے (79,55.5,32) ہم نے 90 سے تفریق کئے، جواب سب کا برابر ہے یعنی 34.5۔

عرض بلد دریافت ہونے کے بعد خط استواء سے فضائی فاصلہ بھی میلوں میں معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ بات محقق ہے کہ خطوط عرض بلد کے درمیان 69.055 میل کا فضائی فاصلہ ہوتا ہے۔ اب جس علاقے کا جتنا عرض بلد ہے اس کو 69.055 میں ضرب دو تو حاصل ضرب مطلوبہ علاقے کا ہوائی فاصلہ خط استواء سے میلوں میں ہوگا۔ مثلاً علاقہ آلائی کا عرض بلد 34.5 ہے اس کو 69.055 میں ضرب دینے سے تقریباً 2382.3975 حاصل ضرب آئے گا۔ بالفاظ دیگر علاقہ آلائی کا ہوائی فاصلہ خط استواء سے 2382.3975 میل ہے۔

کراچی کا عرض بلد 25 درجے ہے تو 69.055 میں ضرب دینے سے 1726.375 حاصل ضرب آئے گا جو کہ کراچی کا ہوائی فاصلہ از خط استواء ہے۔ اسی طرح دیگر شہروں اور قصبوں کے درجہ عرض بلد میں 69.055 کا ہندسہ ضرب دینے سے مطلوبہ فاصلہ معلوم ہوگا۔

2۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دوپہر کے سایہ کی مقدار معلوم ہونے کی بدولت مختلف موسموں میں وقتِ ظہر کی ابتداء اور انتہاء معلوم ہوسکتی ہے۔فقہاء کرام نے وقت ظہر کی پہچان یوں کرائی ہے کہ سایۂ دوپہر کے بغیر ہر چیز کا سایہ (علیٰ اختلاف قولین) جب ایک مثل یا دو مثل ہو جائے یعنی فیٔ زوال سے لے کر آخر مثل اوّل یا مثل ثانی تک وقتِ ظہر رہے گا۔

اب جب تک فیٔ زوال یعنی دوپہر کا سایہ نہ پہچانا جائے تو ظہر کا وقت پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔چونکہ سورج کا مطلع روزمرہ بدلتا رہتا ہے جس کا اثر ہر چیز کے سایہ پر پڑتا ہے کبھی دوپہر کا سایہ بالکل مختصر سا ہوتا ہے جیسا کہ جون کے مہینہ میں اور کبھی کافی طویل ہوتا ہے جس طرح کہ ماہ دسمبر میں ہوتا ہے۔اب ظہر کے وقت کی پہچان کے لیے ضروری ہے کہ سایۂ دوپہر کی کمی بیشی کو پہچانا جائے اور ہر موسم کے مطابق سایۂ دوپہر کو کاٹ کر باقی سایہ کی پیمائش مثل یا مثلین سے کریں تو ٹھیک ہے۔ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں دوپہر کو وقتِ ظہر میں شامل کیا جائے گا اور کہیں ظہر اور عصر میں تداخل کیا جائے گا۔

آج کل مساجد میں اوقاتِ نماز کے دائمی نقشے جو نظر آرہے ہیں۔یہ نقشے ماہرین فلکیات وغیرہ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ تیار کئے ہیں۔جس میں امت کے لیے کافی سہولت ہے لیکن ناواقف لوگوں سے ان نقشوں پر اعتراض کرتے ہوئے سنا گیا ہے۔خصوصاً وقتِ ظہر پر بے دھڑک لوگ بول پڑتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ فیٔ زوال کی کمی بیشی سے ناواقف ہوتے ہیں اور اپنے خود ساختہ پیمانے پر مثل اور مثلین کو ناپتے ہیں۔جس میں آخر بھٹک جاتے ہیں۔

نوٹ: سورج کی انتہائی بلندی 90درجے ہے۔اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں ہے اور یہ بلندی بھی صرف استوائی علاقوں یعنی خط سرطان اور خط جدی کے درمیان والے علاقوں میں میسر ہے۔جہاں سورج سال کے مختلف موسموں میں سمت الرأس پر آتا رہتا ہے۔جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہاں کسی بھی جگہ سورج کا سمت الرأس پر یعنی 90درجے زاویہ پر آنا

محال ہے کیونکہ سورج کی آخری حد، بجانبِ شمال خطِ سرطان ہے جو کہ خط استواء سے 23.5 درجے شمالاً واقع ہے۔ 21 جون کو سورج اسی خط پر ہوتا ہے اور 22 جون کو پھر سورج بجانب جنوب ہٹتا رہتا ہے۔

پاکستان کا شہر کراچی خط استواء کی طرف قریب ترین شہر ہے لیکن 21 جون کو یہاں بھی سورج کی کرنیں سطح زمین کے ساتھ 90 درجے زاویہ نہیں بناسکتیں بلکہ 88.50 درجے پر رہتی ہیں۔ بالفاظ دیگر سورج 21 جون کو بھی کراچی کے سمت الرأس سے تقریبا ڈیڑھ درجہ بجانب جنوب ہوتا ہے کیونکہ کراچی 25 درجے عرض بلد پر واقع ہے جو کہ خط سرطان سے ڈیڑھ درجے شمالاً ہے۔اسی طرح پنڈی میں سورج 21 جون کو 80 درجے زاویہ پر ہوتا ہے یعنی سمت الرأس سے دس (10) درجے بجانب جنوب مائل ہوتا ہے۔ یہاں آلائی (ہزارہ) میں اسی تاریخ کو 79 درجے زاویہ پہ چمکتا ہے اور سمت الرأس سے 11 درجے جنوباً واقع ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ارشادالفهيم الٰى معرفة التقويم

دنیا میں رائج مختلف کیلنڈروں کا مختصر جائزہ

وقت کو گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں میں مرتب کرنے کو تقویم یا کیلنڈر (Calendar) کہا جاتا ہے۔

کلینڈر کی ترتیب و تنظیم کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا، بلاد غیر کے یہودی باشندے جو کہ ان ملکوں میں علاقائی یا ملکی کیلنڈر کے تحت اپنے کام انجام دیتے تھے، انہیں فلسطین سے پیام بر بھیج کر یہودی تہواروں کی حتمی تاریخوں کے بارے میں مطلع کیا جاتا تھا۔ اس امر کے ثبوت 143 برس قبل مسیح تک ملتے ہیں۔

بعد میں بلاد غیر کے یہودی ارض یہود سے جاری کیلنڈر کا انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ علاقائی کیلنڈروں کو ترجیح دینے لگے تھے، لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ 328ء اور 342ء کے درمیان شام کے مخالف گروہ جشن نجات مارچ میں مناتے تھے جب موسم بہار ہوتا تھا اور فلسطین سے جاری تاریخ اور ہدایات کا لحاظ نہیں کرتے تھے، یہودیوں کے درمیان اتحاد اور اسرائیل کی سالمیت کی خاطر 348ء، 359ء میں رہنمائے اعظم ہلیل یازدہم نے کیلنڈر کی ترتیب کے اسرار کو شائع کر دیا جو کہ بابلیوں کے 19 سالہ کیلنڈر کو بنیاد بنا کر تیار کیا گیا تھا، یہ معلومات کافی عرصے تک بحث و مباحثہ کا سامان بن گئیں۔

آٹھویں صدی عیسوی کا وہ فرقہ جو تورات کی اخبار تشریح کے بجائے لفظی معنی کا قائل تھا مسلمانوں کے طریقہ کار کی پیروی کرتے ہوئے اس طریقہ کی طرف لوٹ گیا جس میں نئے چاند کو دیکھ کر مہینہ بدل جاتا تھا اور یہودی ریاست میں کھڑی فصل کے مشاہدہ کی بنیاد پر کیلنڈر بنتا تھا، لیکن کچھ صدیوں کے بعد ان کو بھی پھر پہلے سے بنے کیلنڈر کو اختیار کرنا پڑا۔

اسی طرح سامریوں نے بھی اپنے بنائے ہوئے کیلنڈرز استعمال کیے ہیں۔

کلیسائی مہینہ اقترانِ شمس و قمر کا درمیانی وقفہ ہے جس میں دونوں کُرے ممکنہ حد تک آسمان میں ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں،اوراس مہینہ کی مقدار 29دن 12 گھنٹے 44منٹ 3 سیکنڈ ہوتی ہے اس افتراق کو مولد کہا جاتا ہے ٹھیک یہی بابلیونین رواج بھی ہے [1]

سال کی دو قسمیں ہیں: ایک شمسی دوسرا قمری۔

شمسی سال: یہ سال اس عرصے کے برابر ہوتا ہے جس میں زمین اپنے مدار پر یعنی سورج کے گرد چکر کاٹ لیتی ہے۔ یہ عرصہ 365 دن 5 گھنٹے، 48منٹ، 48.7 سیکنڈ کے برابر ہوتا ہے۔ ہم چونکہ سال کو صرف 365 دنوں کا شمار کرتے ہیں اس لیے ہمارا سال حقیقی سال سے 5 گھنٹے 49منٹ چھوٹا ہوتا ہے اور یہ کمی سال بہ سال زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

نتیجہ یہ ہو گا کہ سال بہ سال وہی مہینے مختلف موسموں میں آنے شروع ہو جائیں گے جس سے ہمارے نظام میں گڑ بڑ ہو جائے گی اور وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ اس دقّت کو دور کرنے کے لیے اس نظام تقویم کے بانی جولیس سیزر شاہ روم (45ق م) نے ہر چوتھے سال میں ایک دن کا اضافہ کر کے 366 دن کا استعمال کیا جسے لیپ کا سال کہا جانے لگا۔

ایسے سال میں ماہ فروری 28 کی بجائے 29 دن کا ہوتا ہے۔ فی سال 6 گھنٹے کے اضافے سے ہر سال حقیقی سال سے تقریباً گیارہ منٹ مزید بڑھ گیا اور یہ زیادتی سو سال میں جمع ہو کر تقریباً 18 گھنٹے بنتی تھی۔ سولہویں صدی عیسوی تک دس دن کا اضافہ ہو گیا تھا اس لیے

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۹۲ء، بعنوان کلینڈر ج15 ص150

پوپ گریگوری نے 1582ء میں دس دن کم کر کے 5 اکتوبر کو 15 اکتوبر قرار دینے کا اعلان کیا اور آئندہ کے لیے حساب درست رکھنے کی غرض سے ہر صدی کا لیپ سال سادہ سال شمار کر کے زیادتی کا ازالہ کر دیا گیا یعنی ہر سوواں سال اگرچہ لیپ سال ہوتا ہے تاہم اس کی فروری 28 دن اور سال 365 دن کا شمار ہو گا لیکن ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ہر سو سال میں 18 گھنٹے اضافہ کے ازالہ کے لیے ہر صدی میں پورا ایک دن یعنی 24 گھنٹے کی کمی جو کی گئی اس کی وجہ سے ہر صدی میں 6 گھنٹے مزید کم ہوتے گئے اور چار سو سال میں پورا ایک دن کم ہوتا گیا۔ چنانچہ پوپ گریگوری نے اس نظام میں یہ ترمیم کی کہ ہر چوتھی صدی کا سال، لیپ سال مانا جائے یعنی جو صدی 400 پر تقسیم ہو تو اس کی فروری 29 دنوں کا مہینہ ہو گا۔ بالفاظ دیگر تین صدیاں سادی اور چوتھی صدی کا سال لیپ شمار ہو گا۔ اس طرح ہر صدی میں 6 گھنٹے کی کمی کا ازالہ ہو گیا۔

اٹھارویں صدی عیسوی تک اس نظام تقویم کو تمام مغربی ملکوں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ برطانیہ میں 2 ستمبر 1752ء کے بعد کا دن 13 ستمبر قرار پایا۔ اور اس طرح گیارہ دن کا جو فرق اس وقت تک پڑ چکا تھا اس کی تصحیح ہو گئی۔ پہلے یہ نظام جولین کیلنڈر کے نام سے مشہور تھا، بعد میں جب گریگوری نے اس کی اصلاح کی تو اب دنیا بھر میں یہ نظام گریگوری کیلنڈر کے اسم سے موسوم و رائج ہے۔ گریگوری کیلنڈر کے سال اور شمسی سال میں صرف 26 سیکنڈ کا فرق رہ جاتا ہے۔ یہ فرق اتنا معمولی ہے کہ 3323 سالوں کے بعد ایک دن کا فرق پڑتا ہے۔

فرانس میں انقلاب کے دوران 1789ء اور روس میں 1929ء میں جو نئے نظام تقویم روشناس کرائے گئے وہ تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ اوّل الذکر نظام میں ہر ماہ کے تین ہفتے رکھے گئے جن میں سے ہر ایک دس روز کا تھا۔ پانچ روز تعطیل کے رکھے گئے اور سال بارہ مہینوں پر منقسم کیا۔ روس میں ہفتہ پانچ روز پر مشتمل ہے اور ایک ماہ میں چھ ہفتے ہوتے ہیں۔ اہل فارس نے ہر شمسی مہینہ تیس (30) دن کا قرار دیا ہے۔ اس حساب سے سال 360 دن کا بن کر جو پانچ دن کی کمی واقع ہوتی ہے ان کا اضافہ سال کے آخر میں کر کے اسے " خمسہ

مسترقہ" کہاجاتاہے اور کسر کے لیے ہر چوتھے سال ایک دن زیادہ کرکے اسے "کبیسہ" کہتے ہیں۔

ہندوستان کا بِکرمی حساب:

تقویم کا یہ انداز بھی ایک پہلو سے شمسی سال ہی کا ہے۔ یہ حساب صدیوں کے تجربوں کا نچوڑ ہے اور مکمل ترین تقویم ہے۔ یہ سال بھی 365 دن کا ہوتا ہے۔ یکم بیساکھ سے اس کی ابتداء ہوتی ہے۔ فصلوں کی بوائی اور کٹائی کا دارومدار اس حساب پر ہے۔ غالباً بکرماجیت نامی ہندو راجہ اس کا بانی ہے اسی وجہ سے بکرمی نام سے مشہور ہو گیا ہے۔اس کے بارہ مہینوں کی تعدادِ ایام ابجد کے اس شعر میں پوشیدہ ہے۔

لاولا لب لاولا ولا شش ماه اند لل كط و كط لل ايں شهور كوتاه اند

پہلے لا سے مراد بیساکھ کا مہینہ ہے جس کے 31 دن ہوتے ہیں ل کی طاقت 30 ہے اور الف کی طاقت ایک ہے مجموعہ 31 ہوا۔ دوسرے لا سے مراد جیٹھ کا مہینہ ہے یہ بھی 31 دنوں پر مشتمل ہے۔ لب سے مراد ہاڑ کا مہینہ ہے جس کے 32 دن ہوتے ہیں، ل کی طاقت 30 کا ہندسہ اور ب کی طاقت 2 ہے، مجموعہ 32 ہوا۔ تیسرے لا سے مراد ساون کا مہینہ ہے جس کے 31 دن ہوتے ہیں، چوتھے لا سے مراد بھادوں کا مہینہ ہے،اس کے بھی 31 دن ہوتے ہیں۔ پانچویں لا سے مراد ماہ اسوج ہے جو کہ 31 دنوں پر مشتمل ہے۔ "لل" میں پہلے لام سے مراد ماہ "کاتک" ہے. جس میں 30 دن ہوتے ہیں اور دوسرے لام سے مراد مگھر کا مہینہ ہے جو کہ 30 دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

پہلے "کط" سے مراد پوہ کا مہینہ ہے اور دوسرے کط سے مراد ماگھ کا مہینہ مطلوب ہے۔ دونوں مہینوں میں 29 دن ہوتے ہیں۔ ک کی طاقت 20 ہے اور ط کی طاقت 9 ہے۔ مجموعہ 29 ہوا۔ آگے " لل" سے مراد پھاگن اور چیت ہے۔ ہر ایک مہینے کے 30 دن ہوتے ہیں۔ بکرمی سال میں ایک مہینہ 32 دن کا پانچ مہینے 31 دن کے، چار مہینے 30 دن والے اور دو

مہینے 29 دن والے ہیں۔ پس پورا سال 365 دن سے مرکب ہوا۔ انگریزی مہینوں کی تعدادِ ایام معلوم کرنے کے لیے یہ شعر یاد رکھنا چاہیے۔

تیس دن ستمبر کے   اپریل جون نومبر کے
فروری کے ہیں دن اٹھائیس   باقی سب کے ہیں اکتیس
چوتھا سال جو لیپ کا آئے   فروری پر دن اور بڑھائے

قمری سال اور تاریخی حقائق

قمری سال کی سادگی و جامعیت

سب سے زیادہ پرانا اور باقاعدگی کے ساتھ سب سے زیادہ استعمال ہونے والا کلینڈر قمری کلینڈر ہے ایک وہ شخص جو جنتری نہیں پڑھ سکتا وہ بھی چاند کو دیکھ کر بالکل درست اور واقعی طور پر دن (تاریخ) بتلا سکتا ہے۔ قمری کلینڈر میں کوئی فرضی یا مجازی سال نہیں ہوتا۔

(انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

''قدیم ترین اور زمانہ قبل از مسیح میں باقاعدگی سے استعمال ہونے والا کلینڈر، قمری کلینڈر ہے، اس کلینڈر کے مطابق قانونی مہینہ عرصہ کے لحاظ سے حقیقی قمری کلینڈر کے مطابق ہی ہوتا ہے، ماہ کا پہلا دن تقریباً وہی ہوتا ہے جب چاند ظاہر ہوتا ہے، اس کیلنڈر میں چاند کی مختلف شکلوں کی ڈرائنگ کے ذریعہ تاریخ ظاہر کی گئی ہے، وہ شخص جو کیلنڈر کی تاریخ پڑھ نہیں سکتا وہ بھی چاند کی شکلیں دیکھ کر دن کا درست اندازہ لگا سکتا ہے، قمری کلینڈر میں کوئی ٹراپیکل سال (جس میں 365 دن ہوتے ہوں) نہیں ہوتا ہے۔[1]

فلکی حساب کی قدامت:

دوسرے یہود پرانے زمانے سے قمری مہینوں کے حساب کی روح میں فلکی حساب کو استعمال کر رہے تھے ''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ بابلی کیلنڈر رؤیت ہلال پر موقوف تھا، آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہود نے اس سے یہ کیلنڈر اور طریقہ لیا، چوتھی

[1] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا 1988، ج 5، ص 185

صدی قبل مسیح میں رصدی حساب کافی ترقی کر گیا تھا، اس نے مستحکم صورت اختیار کر لی تھی بابلیوں نے ان کے زمانے میں اپنے کیلنڈر کے نظام میں تبدیلی کر کے فلکی حساب پر اس کو موقوف کر دیا تھا 70 میں یہودیوں نے بھی ایسا ہی کر لیا اور اس غرض سے کہ ان کے جشن نجات (یہودی کیلنڈر کے ساتویں مہینے کی پندرہویں تاریخ کو یہودی یہ تہوار مصر میں غلامی سے نجات کی خوشی کا سال منایا کرتے تھے، یہ تہوار سات یا آٹھ دن تک منایا جاتا تھا) موسم سرما کے آخر میں ہو، انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ ہر تیسرے چھٹے، آٹھویں، گیارہویں، چودھویں، اور انیسویں سال ایک ایک مہینہ کم کر دیا کرتے تھے (تاکہ شمسی اور قمری حساب یکساں ہو جائے، اس لیے اس طریقہ کو کہا جاتا ہے نیم قمری نیم شمسی کیلنڈر۔

قمری سال شمسی سال سے بقدر دس دن 21 گھنٹے 49 منٹ چھوٹا ہوتا ہے کیونکہ اس کے بارہ مہینوں میں سے چھ 29 دن کے اور چھ 30 دن کے آتے ہیں۔ اس حساب سے قمری سال کے کل 354 دن 8 گھنٹے بنتے ہیں۔ اس کی منظم ابتداء حضور پر نور ﷺ کی ہجرت کے دن سے ہوئی ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس تقویم کو منظم کر کے جاری فرمایا۔ اس کا آغاز اسلام کے اہم عمل ہجرت کے دن سے کیا۔ اس میں مہینے کی میعاد چاند کے دو مسلسل طلوعات کا درمیانی عرصہ ہے۔ شرعی امور (روزہ، حج، زکوٰۃ، عدت وغیرہ) کا تعلق اسی حساب سے ہے۔ ازیں سبب قمری حساب کو یاد اور جاری رکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

یہ بتانے کے لیے کہ کوئی سال عیسوی ہے یا ہجری، سن کے بعد (ء) لگانے سے وہ عیسوی سال گنا جاتا ہے مثلاً 1400ء سے مراد 1400 عیسوی ہے جبکہ ہجری ظاہر کرنے کے لیے (ھ) لگاتے ہیں جیسے 1400ھ سے مراد 1400 ہجری ہے۔

مذکورہ ہر سہ تقاویم کو ایک دوسرے میں بدلانے کے مختلف کلیے ہیں۔ ہجری کو عیسوی میں بدلانے کے لئے قریب ترین عدد 3.045/100 ہے تاہم اس سے بھی سو فیصد صحیح عمل نہیں ہوسکتا بہر حال کلیہ درج کررہا ہوں۔

قمری سال سے شمسی سال معلوم کرنے کا طریقہ

کلیہ :

قمری سال+622-قمری سال کا 3.045/100

مثال نمبر 1: قمری سال 824ھ

قمری سال کا 3.045/100 یعنی 824×3.045/100=25

عیسوی سال=824+622-25=1421ء

پس معلوم ہوا کہ 824ھ کو 1421ء سال تھا۔

مثال نمبر 2: قمری سال 1433ھ

قمری سال کا 3.045/100 یعنی 1433×3.045/100=44

عیسوی سال=1433+622-44=2011ء

پس معلوم ہوا کہ 1433ھ کے دوران 2011ء سال تھا۔

اگر آپ عیسوی سال کو قمری سال میں تحویل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے :

کلیہ:

عیسوی سال-622+حاصلِ منفی کا 3.20/100

مثال نمبر 1: عیسوی سال 868ء

622 منفی کرنے کے بعد یعنی 868-622=246

حاصلِ منفی کا 3.20/100 یعنی 246×3.20/100=7.87 یا 8

جواب: 246+8=254ھ

پس معلوم ہوا کہ 868ء کے دوران 254ھ سال تھا۔

مثال نمبر 2: عیسوی سال 2011ء

622 منفی کرنے کے بعد 2011-622=1389

حاصلِ منفی کا 3.20/100 یعنی 1389×3.20/100=44.48 یا 44

جواب: 1389+44=1433ھ

پس معلوم ہوا کہ 2011ء کو 1433ھ سال تھا۔

عیسوی کو قمری یا قمری کو عیسوی سال میں تحویل کرنے کے لیے درج ذیل ویب سائٹس

(websites) سے مدد لیں:

www.funaba.org/en/calendar---conversion.cgi

www.oriold.uzh.ch/static/hegira.html

اختراعی کلیہ: (مؤلف کا وضع کردہ آسان کلیہ)

قمری سال +622 منفی قمری سال کا 3/100 مثلاً 1400ھ کے زمانے میں کون سا سن عیسوی تھا؟ یہ معلوم کرنے کے لیے پہلے 1400ھ قمری سال میں 622 جمع کریں تو مجموعہ 2022 آئے گا۔

اب اس مجموعے (2022) میں سے 1400×3/100: =42 منفی کرو تو 1980ء رہ جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ 1400ھ اور 1980ء آپس میں یک وقت چلتے رہے۔ یہ کلیہ میرا خود ساختہ اور تقریبی سا ہے۔ اس کا ہر وقت اور زمانے پر صحیح منطبق ہونا

سو فیصد یقینی نہیں کیونکہ شمسی اور قمری سالوں میں انطباق بڑا مشکل ہے جیسا کہ علامہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اپنی کتاب ''احسن الفتاویٰ'' جلد 2 صفحہ 370 پر رقمطراز ہیں:

''ہجری اور عیسوی سالوں اور تاریخوں کا صحیح تقابل دو امور پر موقوف ہے۔ایک یہ کہ یکم محرم 1ھ میں عیسوی سن اور تاریخ کیا تھی؟ دوسرا یہ کہ دورِ شمس اور دورِ قمر کی صحیح مقدار کیا ہے تاکہ اس کے مطابق دونوں سالوں کی باہم نسبت ظاہر ہو مگر ان دونوں امور میں اختلاف ہونے کی وجہ سے قمری اور شمسی تاریخوں میں بالکل صحیح تطبیق مشکل ہے۔ راجح وغالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یکم محرم 1ھ مطابق 18 جولائی 622ء بروز اتوار ہے اور بعض تقاویم میں یکم محرم 1ھ مطابق 16 جولائی 622ء بروز جمعہ تحریر ہے۔''

اس معاملہ کی تفہیم کے لیے:

شمسی و قمری ماہ و سال کی تفصیل جاننا ضروری ہے۔

شمسی مہینہ 30.43685 :دن

شمسی سال 365.24223 :دن

قمری مہینہ 29.530588 :دن

قمری سال 354.36705 :دن

"Calendar Conversion Table" of "A Middle East Studies Handbook,"

کے مطابق یکم محرم 1ھ، 16 جولائی 622ء ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ یکم بیساکھ ہمیشہ 13 اپریل کو ہوتی ہے۔

بکرمی سال کی کسی تاریخ کو انگریزی تاریخ میں منتقل کرنے کے لیے دیسی تاریخ یعنی بکرمی تاریخ سے 56 سال 8 مہینے اور 18 دن منفی کریں۔ مثلاً 25 چیت 2051 کے بالمقابل انگریزی تاریخ مطلوب ہے تو 2051 نمبر سال 12 نمبر ماہ اور 25 دن سے مذکورہ بالا تاریخ منہا کریں تو 7 اپریل 1995ء حاصل ہو گا جو اس کے مقابل انگریزی تاریخ ہے جیسا کہ :

دن	ماہ	سال	منفی	دن	ماہ	سال	=	دن	ماہ	سال
25	12	2051	–	18	8	56	=	7	4	1995

انگریزی تاریخ کو بکرمی میں تبدیل کرنا ہو تو عیسوی تاریخ میں :

دن	ماہ	سال
18	8	56

جمع کریں تو مطلوب حاصل ہو جائے گا۔

مثلاً 9 فروری 2011ء کو بکرمی تاریخ کیا تھی؟

دن	ماہ	سال	جمع	دن	ماہ	سال	=	دن	ماہ	سال
9	2	2011	+	18	8	56	=	27	10	2067

یعنی مذکورہ بالا انگریزی تاریخ کے وقت 27 ماگھ 2067 بکرمی سال تھا۔

طلوع چاند کا دن معلوم کرنے کا طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم ابجد کے ذریعے چاند طلوع ہونے کا دن معلوم کرنے کا طریقہ

صدیوں کا آزمودہ

		حروف سال ۲→ / مع طاقتیں ۱→		ہ	ج	ز	د	ب	و	د
			۱	۵	۳	۷	۴	۲	۶	۴
مہینے	حروف ماہ	طاقتیں	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
محرم	ز	۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
صفر	ب	۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ربیع الاول	ج	۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ربیع الثانی	ہ	۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
جمادی الاولیٰ	و	۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
جمادی الاخریٰ	ا	۱	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
رجب	ب	۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شعبان	د	۴	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
رمضان	ہ	۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شوال	ز	۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ذوالقعدہ	ا	۱	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ذوالحجہ	ج	۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ہفتہ کے ایام مع نمبر	سوموار	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار
	۱	۲	۳	۴	۵	۶	٠

طریقہ استخراج: ۱۔ سال ہجری کو ۸ پر تقسیم کر کے جو باقی بچ گیا اسی نمبر سال کا حرف بر آمد کیا جائے گا ملاحظہ اگر تین بچ گیا تو حرف ج، چار بچ گیا تو حرف ز، پانچ بچ گیا تو حرف د الخ۔

۲۔ سال مطلوبہ کے حرف کی طاقت اور ماہ مطلوبہ کے حرف کی طاقت جمع کر کے سات پر تقسیم کریں جو باقی بچ گیا تو اسی نمبر والا دن طلوع چاند کا دن ہوگا۔ اگر ایک بچ گیا تو سوموار، دو بچ گیا تو منگل الخ۔

مزید وضاحت کیلئے مقالہ تحقیق المیلاد بتنسیق الاعداد کا مطالعہ ضرور کیجئے گا۔

نوٹ: یہ دائمی نقشہ ہے ہر آٹھ سال کے بعد اسکی تجدید خود بخود ہو جاتی ہے۔

اس کی تفصیل تحقیق المیلاد بتنسیق الاعداد میں دیکھیے

آئندہ یا گزشتہ تاریخ کا دن معلوم کرنے کا طریقہ

کلیہ: تاریخ+نمبرِ مہینہ+نمبرِ سال+نمبرِ صدی÷7=باقی نمبرِ دن مطلوبہ

نمبرِ مہینہ	
جنوری، اکتوبر	2
فروری، مارچ، نومبر	5
اپریل، جولائی	1
مئی	3
اگست	4
ستمبر، دسمبر	0
جون	6

نمبرِ دن	
اتوار	0
سوموار	1
منگل	2
بدھ	3
جمعرات	4
جمعہ	5
ہفتہ	6

نمبرِ صدی	
0	2
1800	1700
2200	2100
2600	2500
3000	2900
3400	3300
4	5
2000	1900
2400	2300
2800	2700
3200	3100
3600	3500

نمبرِ سال

0	1	2	3	4	5	6
1900	1901	2	3	0	4	5
6	7	0	8	9	10	11
0	12	13	14	15	0	16
17	18	19	0	20	21	22
23	0	24	25	26	27	0
28	29	30	31	0	32	33
34	35	0	36	37	38	39
0	40	41	42	43	0	44
45	46	47	0	48	49	50
51	0	52	53	54	55	0
56	57	58	59	0	60	61
62	63	0	64	65	66	67
0	68	69	70	71	0	72
73	74	75	0	76	77	78
79	0	80	81	82	83	0
84	85	86	87	0	88	89
90	91	0	92	93	94	95
0	96	97	98	99	0	0
2000	2001	2002	3	0	4	5

مثال: 14اگست 1947ء

تاریخ: 14
نمبر مہینہ: 4
نمبر سال: 2
نمبر صدی: 5
ٹوٹل: 25

$$7\overline{)25}\;3,\quad 21,\quad \text{باقی } 4$$

چونکہ چار4 بچ گیا ہے جو کہ جمعرات کا نمبر ہے۔ اس لیے 14/08/47 کو جمعرات کا دن تھا

اسی طرح آگے بڑھائیے۔ نیز ہر صدی کے اختتام پر صفر بڑھائے جیسا کہ ہر لیپ سال پر ایک صفر بڑھایا جاتا ہے۔

ملحوظہ: اگر سال لیپ کا ہو تو پھر فروری کا نمبر 4 اور جنوری کا نمبر 1 شمار ہوگا۔

باب پنجم:

تحثیث العالِم علیٰ تحسیس العالَم

(علمِ جغرافیہ کے چند پہلو)

زمین کا تعارف:

زمین نظامِ شمسی کا وہ سیارہ ہے جس پر ہم آباد ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نارنگی کی طرح گول ہے قطبین پر قدرے پچکی ہوئی ہے۔ قطب شمالی سے قطب جنوبی تک اس کے قطر کی لمبائی 7899.80 میل یا 12,718.678 کلومیٹر ہے لیکن شرقاً غرباً اس کے قطر کی لمبائی 7926.28 میل یا 12761.31 کلو میٹر ہے۔ زمین کا محیط تقریباً 24901.55 میل یا 40,091.495 کلومیٹر اور سطح کا رقبہ 19 کروڑ 63 لاکھ 67 ہزار مربع میل ہے۔ جس میں سے 5 کروڑ 69 لاکھ 70 ہزار مربع میل یا 148,429,000 مربع کلومیٹر کے قریب خشکی اور تقریباً 13 کروڑ 93 لاکھ 97 ہزار مربع میل یا 361,132,000 کلومیٹر پانی ہے۔

سطح	کل سطح کا فیصد	رقبہ کلومیٹر میں	رقبہ میلوں میں
سطح زمین پر خشکی	29.2%	148,429,000	569,70000
سطح زمین پر پانی	70.8%	361,132,000	139,397,000
پیسیفک سمندر	30.5%	155,557,000	60,045.000
اٹلانٹک سمندر	20,8%	76,762,000	29,630,000
انڈین سمندر	14.4%	68,556,000	26,463,000
بحر منجمد جنوبی	4.0%	20,327,000q	7,846,000
بحر منجمد شمالی	2.8%	14,056,000	5,426,000

اس کے چاروں اطراف تقریباً دو سو میل (322 کلو میٹر) تک ہوا ایک غلاف کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے جسے ''کرہ ہوائی'' کہتے ہیں۔ نشیبی علاقوں میں ہوا کثیف ہوتی ہے لیکن بلندی پر ہوا تدریجاً لطیف ہوتی جاتی ہے یعنی اکسیجن میں کمی آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلند و بالا چوٹیوں پر سانس لینے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔ (دیسی زبان میں اس کیفیت کو جڑی لگنے سے تعبیر کرتے ہیں)۔

تقریباً پچاس میل تک ہوا میں کچھ نہ کچھ کثافت باقی رہتی ہے، اس سے اوپر ہوا بالکل لطیف ہوتی ہے۔ 25 میل بلندی تک ہوا کا احساس ہوتا ہے اس سے اوپر ہوا محسوس ہی نہیں ہوتی۔ بیرو میٹر کے ذریعے ہوا کا دباؤ ناپا جاتا ہے اور اس کے ذریعے کسی مقام کی بلندی بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔ زمین پر سب سے اونچی چوٹی ایورسٹ نیپال میں واقع ہے اور انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے مطابق سطح سمندر سے تقریباً 29,035 فٹ بلند ہے۔ اسی طرح سب سے گہری جگہ فلپائن کے قریب بحر الکاہل میں میریانا جزائر (Mariana Islands) کے مشرق میں ہے۔ جزائر کے نام سے منسوب اسے میریانا ٹرینچ (Mariana Trench) کہتے ہیں۔ اس کی گہرائی جو اب تک ناپی جا چکی ہے 35,994 فٹ (10,971 میٹر) ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ گہرائی اس سے بھی زیادہ ہے اور ان کا خیال ہے کہ گہرائی 6.85 میل (11.03 کلو میٹر) ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خشکی کے سب سے اونچے پہاڑ ماؤنٹ ایورسٹ جس کی اونچائی 29.035 فٹ ہے کو اس کھائی میں گرا دیا جائے تو اس کی چوٹی کے اوپر پانی کی بلندی 6959 فٹ ہوگی۔

زمین نظامِ شمسی میں شامل ایک سیارہ ہے۔ یہ سورج کے گرد دو قسم کی حرکتیں کرتی ہے۔ محوری (روزانہ) اور دوری (سالانہ)۔ روزانہ گردش میں زمین اپنے محور کے گرد چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر لگاتی ہے۔ جس سے رات، دن پیدا ہوتے ہیں، سالانہ گردش میں سورج کے گرد 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 48.7 سیکنڈ میں ایک چکر کاٹتی ہے۔ اس کا مدار

چونکہ گول نہیں بلکہ بیضوی ہے اس لیے سورج سے اس کا فاصلہ مختلف وقتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ کبھی نزدیک کبھی دور، جس سے موسم پیدا ہوتے ہیں۔

زمین چونکہ گول ہے اور ہر گول دائرہ چار قائمہ زاویوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے 360 درجے بنتے ہیں۔ لہٰذا زمین پر بھی شمالاً جنوباً 360 خطوط طول بلد فرض کئے گئے ہیں۔ ہر طول بلد کو سورج 4 منٹوں میں طے کرتا ہے۔ اسی تناسب سے 360 خطوط 24 گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ہر علاقے کے طول بلد پر جب سورج آجائے تو وہاں عین استواء یعنی دوپہر کا وقت ہوتا ہے۔ اوقات عالم کو مربوط بنانے کے لیے پوری دنیا پر ایک نصف النہار تصور کیا گیا ہے جو کہ گرینج (لندن) پر گزرنے والا خط طول بلد ہے۔ یہ خط تمام خطوط طول بلد کا مبدأ صفر درجہ شمار ہوتا ہے۔ اس خط سے شرقاً 180 خطوط واقع ہیں جو کہ طول بلد مشرقی کہلاتے ہیں اور 180 خطوط غرباً واقع ہیں۔ جنہیں مغربی طول بلد کہا جاتا ہے۔

تمام دنیا کی تاریخوں اور دنوں کو برابر رکھنے کے لیے آج کل 180 درجہ طول بلد پر ایک فرضی خط مانا گیا ہے۔ جسے ڈیٹ لائن کہتے ہیں یعنی بین الاقوامی خطِ تاریخ۔ اس سے مشرق کی طرف علاقوں کی تاریخ ایک دن پیچھے ہوتی ہے اور مغرب کی طرف والے ممالک کی تاریخ ایک دن آگے ہوتی ہے۔ اس لئے اس لائن کو پار کرتے ہوئے لوگ تاریخ بدل لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی جہاز اس خط کو مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہوئے پار کرے تو ایک دن کی تاریخ کا اضافہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر تاریخ 10 دسمبر ہوگی تو لائن پار کرتے ہی 11 تاریخ ہو جائے گی۔ اور اگر اس خط کو مشرق کی طرف جاتے ہوئے عبور کرے تو ایک دن کم کیا جائے گا۔ یعنی تاریخ اگر 5 نومبر ہے تو فوراً 4 نومبر ہو جائے گی۔

180 درجہ طول بلد کا خط اس لیے انتخاب کیا گیا ہے کہ یہ مبدأ طول یعنی گرینج سے انتہائی دوری پر ہے۔ نیز یہ خط سارا سمندر پر واقع ہے اور اس پر آبادی کم ہے۔ اگر آبادی ہوتی تو ایک ملک میں خط کے دونوں طرف دن و تاریخ کے اختلاف سے دقّت پیدا ہوتی۔ اس احتیاط

کے باوجود پھر بھی یہ خط بحر الکاہل کے کئی جزائر (فجی وغیرہ) پر سے گزرتا ہے۔ ان جزائر کے باشندوں کو دقّتِ تاریخ سے بچانے کے لیے یہ خط سیدھا نہیں رکھا گیا بلکہ کچھ خم دار ہے۔

بین الاقوامی تعیینِ تاریخ کی حدود کا نقشہ

(انٹرنیشنل ڈیٹ لائن)

خطوطِ طول البلد اور عرض البلد کی اہمیت:

خطوط طول بلد سے دنیا کے اوقات معلوم کئے جاتے ہیں مثلاً لندن میں اگر دن کے بارہ بجے ہیں تو ڈیٹ لائن پر رات کے بارہ بجے ہوں گے۔ بنگلہ دیش میں شام کے 6 بجے اور وسطی امریکہ میں صبح کے 6 بج رہے ہوں گے۔ اگر 15 درجے مشرقی طول بلد پر دن کا ایک بجا ہو تو 15 درجے مغربی طول بلد پر دن کے گیارہ بج چکے ہوں گے غرضیکہ ہر طول بلد پر چار منٹ اور ہر 15 خطوط پر ایک گھنٹے کا فرق پڑتا ہے۔

اسی طرح ایک خط دنیا کے مرکز پر شرقاً غرباً فرض کیا گیا ہے جو کہ دنیا کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے، نصف کرہ شمالی اور نصف کرہ جنوبی۔ اس خط کو خطِ استواء کہتے ہیں جو کہ جزائر شرق الہند، کینیا، یوگنڈا، زائرے، برازیل اور کولمبیا وغیرہ پر سے گزرتا ہے۔ استواء کا معنی ہے برابری۔ جب سورج اس خط کے اوپر ہوتا ہے تو پوری دنیا میں سوائے قطبین کے رات دن برابر ہوتے ہیں۔ اس خط سے شمالاً 90 خطوط فرض کئے گئے ہیں جو کہ شمالی عرض بلد کہلاتے ہیں اور 90 خطوط جنوباً فرض کئے گئے ہیں جو کہ جنوبی عرض بلد کہلاتے ہیں۔ خط استواء سے ساڑھے تئیس 23.50 درجے شمالاً خط سرطان اور ساڑھے تئیس 23.50 درجے جنوباً خط جدی واقع ہیں۔ سورج اپنی ظاہری گردش میں کبھی ان خطوط سے باہر نہیں نکلتا، اس لیے ان ہر دو خطوط کے درمیان ہمیشہ سخت گرمی رہتی ہے۔ اس کو منطقہ حارہ یعنی گرم منطقہ کہتے ہیں۔

21 جون کو سورج خطِ سرطان پر چمکتا ہے۔ اس لیے شمالی نصف کرہ میں راتیں چھوٹی دن بڑے اور سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ جنوبی نصف کرہ میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ 22 دسمبر کو سورج خط جدی پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے نصف کرہ جنوبی میں موسم گرما اور نصف کرہ شمالی میں موسم سرما ہوتا ہے۔ 21 مارچ اور 22 ستمبر کو سورج خطِ استواء پر ہوتا ہے جس کی بدولت سوائے قطبین کے تمام دنیا میں رات دن برابر ہوتے ہیں۔

خطوط عرض بلد کی بدولت کسی مقام کا خط استواء سے فاصلہ اور حرارت و برودت وغیرہ امور معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ جتنا کوئی مقام خط استواء کے قریب ہو گا وہاں اتنی ہی گرمی زیادہ ہو گی اور جتنا کوئی مقام دور ہو گا وہاں اتنی ہی سردی ہو گی۔ البتہ سردی گرمی کا تعلق صرف اور صرف عرض بلد سے نہیں بلکہ علاقہ کے نشیب و فراز و دیگر جغرافیائی کیفیات کا بھی گرمی و سردی میں کافی دخل ہے۔

مثلاً سطح سمندر سے بلندی اور فاصلہ، پہاڑوں کی موجودگی، ان کا رُخ، بحری روئیں اور جنگلات۔ لہٰذا مختلف ممالک کے موسم بھی قدم بقدم مختلف ہوتے ہیں۔

خطوطِ طول بلد لمبائی میں سب برابر ہوتے ہیں اور ہر خط دنیا کی تنصیف کرتا ہے ۔اس لیے ہر خط دنیا کے لیے نصف النہار بن سکتا ہے۔ **جمہور قدماء یونان** آبادی کا مغربی منتہیٰ یعنی بحر اوقیانوس میں واقع جزائر خالدات کو مبدأ طول قرار دیتے تھے۔ **قدیم حکماء ہند** کے نزدیک آباد زمین کا مشرقی منتہیٰ یعنی مقام گنگدژ (لنکا) طول بلد کا مبداء تھا۔

1884ء میں طول بلد کے متعلق ماہرین سائنس کی ایک انجمن قائم ہوئی۔ انجمن نے کافی غور و خوض کے بعد گرینچ کو مبداء طول قرار دیا۔ گرینچ لندن کے مضافات میں ایک قصبہ ہے، اسی مقام پر ایک بڑی رصد گاہ قائم ہے۔ رصد گاہ کے باغ میں شیشے کے خول کے اندر ایک تار عموداً لگایا گیا ہے۔ یہ تار صفر درجہ طول بلد کے کام آتا ہے۔

مکہ معظمہ جس کو ام القریٰ کہا گیا ہے اور بلاشک و شبہ یہ بابرکت مقام تمام ارض مسکونہ کا مرکز ہے، اگر اس مبارک مقام کو طول بلد کا مبداء قرار دیا جاتا تو ڈیٹ لائن کی تعیین میں موجود پیچیدگی خود بخود ختم ہو جاتی یعنی جزائر فجی اور نیوزی لینڈ کو ڈیٹ لائن سے بچانے کی خاطر جو خم ڈیٹ لائن میں رکھا گیا ہے اس خم کو رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ ڈیٹ لائن بحر الکاہل پر بالکل سیدھی گزرتی۔

خطوط طول بلد لمبائی میں سب برابر ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان فاصلہ یکساں نہیں رہتا۔ وجہ یہ ہے کہ زمین کا محیط خطِ استواء پر زیادہ ہے اور جوں جوں قطب کی جانب چلتے جائیں وہ کم ہوتا جاتا ہے اسی لیے ہر دو طول بلد کا فاصلہ گھٹتا جاتا ہے۔ چنانچہ خط استواء پر ہر دو طول بلد کے درمیان 69.65 میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ 10 درجے عرض بلد پر 68.257 میل، 20 درجے عرض بلد پر 64.774 میل، 30 درجے عرض بلد پر 59.899 میل، 40 عرض بلد پر 52.934 میل، 50 عرض بلد پر 44.5 میل، 60 عرض بلد پر 34.5 میل، 70 عرض بلد پر 23.5 میل، 80 عرض بلد پر 11.5 میل اور 90 عرض بلد پر صفر ہوتا ہے جو قطب ہے، جہاں تمام خطوط مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کے برعکس خطوط عرض کی لمبائی کم ہوتی جاتی ہے لیکن ان خطوط کا آپس میں فاصلہ قطبین تک برابر رہتا ہے یعنی 69.056 میل فی خط۔

زمین کی محوری حرکت کے اثرات:

زمین کی محوری حرکت خط استواء پر فی گھنٹہ 1038 میل ہے۔ قطبین کی طرف تدریجاً حرکت کی رفتار کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ قطبین سے نصف میل نیچے رفتار فی میل 8 گھنٹے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دن رات کے چھوٹے بڑے ہونے میں بھی تدریجی فرق ہے۔ یعنی عرض بلد کی کمی بیشی کے باعث شب و روز کی لمبائی میں بھی کمی و بیشی کا ظہور ہوتا ہے۔ خط استواء پر سارا سال دن رات برابر رہتے ہیں۔ 10 درجے عرض بلد پر آدھے گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ 20 درجے عرض بلد پر لمبا دن 13 گھنٹے 15 منٹ کا ہوتا ہے۔ 30 درجے عرض بلد پر 14 گھنٹے، 40 عرض بلد پر 15 گھنٹے، 50 عرض بلد پر 16 گھنٹے 15 منٹ، 60 عرض بلد پر 18 گھنٹے 30 منٹ، 63 عرض بلد پر 20 گھنٹے، 66 عرض بلد پر 23 گھنٹے، 66.50 عرض بلد پر 48 گھنٹے، 67.25 عرض بلد پر ایک ماہ، 70 عرض بلد پر 2 ماہ کا دن، 73.5 عرض بلد پر 3 ماہ کا دن، 78.5 عرض بلد پر 4 ماہ، 84.5 عرض بلد پر 5 ماہ کا دن اور

90عرض بلد پر 6ماہ کا دن، 6ماہ کی رات ہوتی ہے۔ گویا پورا سال ایک دن ایک رات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی علاقہ ''قطبین'' کہلاتا ہے۔ 21مارچ تا 21 ستمبر شمالی قطب میں دن اور جنوبی قطب میں رات ہوتی ہے۔ 22ستمبر تا20مارچ معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں سب سے بڑا دن ساڑھے چودہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ لندن میں سب سے بڑا دن ساڑھے سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

66درجے عرض بلد والے ممالک میں عشاء کا وقت نہیں آتا کیونکہ گرمیوں میں غروب شفق سے پہلے پہلے سورج پھر طلوع ہو جاتا ہے۔ ایسے علاقے کچھ شمالی روس، فن لینڈ، سویڈن، ناروے، آئس لینڈ، گرین لینڈ، شمالی کینیڈا اور الاسکا (امریکہ) میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ 48درجے عرض بلد سے اوپر جتنے درجے عرض بلد بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی غروب شفق کا سلسلہ زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ کہیں ایک ماہ، کہیں دو، کہیں تین اور چار چار ماہ گرمیوں میں غروبِ شفق نہیں ہوتا ہے۔ 66.50عرض بلد سے اوپر تو سورج ہی غروب نہیں ہوتا۔ کہیں ایک ماہ، کہیں دو، تین، چار، پانچ اور چھ ماہ تک سورج دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً گرین لینڈ، جوزف لینڈ، جزائر سوالبرڈ، شمالی کینیڈا اور الاسکا وغیرہ میں مدت مدیدہ تک سورج چمکتا رہتا ہے اور موسم سرما میں اس کے برعکس سورج کافی عرصے تک غائب رہتا ہے۔[1]

ناروے کے شمالی حصے میں مئی کے دوسرے ہفتے سے جولائی کے آخری ہفتے تک سورج 24گھنٹے نظر آتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس 18نومبر سے 23جنوری تک سورج بالکل دکھائی نہیں دیتا۔ جاڑوں کی ان طویل راتوں میں ایک عجیب سی روشنی پیدا ہوتی ہے جسے ''شمالی علاقوں کی روشنی'' کہتے ہیں۔

خطِ استواء اور اس کے آس پاس جنوباً و شمالاً سورج کی شعاعیں سارا سال عموداً یا قریب العمود پڑتی ہیں۔ عمودی شعاعوں میں ترچھی شعاعوں کی نسبت روشنی اور حرارت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے پروفیسر عبداللطیف صاحب کی کتاب ''دائمی نقشہ اوقاتِ نماز'' صفحہ 292

دونوں کی شدت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ علاقہ زیادہ گرم ہوتا ہے۔ اور خط استواء سے دور خطوں پر شعاعیں ترچھی واقع ہوتی ہیں۔ اس لیے ان میں روشنی اور حرارت کی کمی ہوتی ہے۔

ماہرین فن شعاعوں کے مختلف مدارج نور و حرارت کے لحاظ سے کل سطح ارض کو چند بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کو ہم منطقات کہتے ہیں۔

منطقہ حارہ (گرم علاقہ):

خط استواء سے 23.50 درجے شمالاً اور جنوباً یعنی خط سرطان اور خط جدی کے درمیان واقع علاقے کو منطقہ حارہ کہتے ہیں۔ اس کی چوڑائی بلا کسر تین ہزار میل فضائی ہے۔ خط استواء سے شمالاً ڈیڑھ ہزار میل والی پٹی منطقہ حارہ شمالی ہے اور جنوباً ڈیڑھ ہزار والی پٹی منطقہ حارہ جنوبی ہے۔ پورا سال یہاں منطقہ حارہ شمالیہ و جنوبیہ میں کسی نہ کسی مقام پر سورج کی شعاعیں سیدھی پڑتی رہتی ہیں۔

منطقہ باردہ (ٹھنڈا علاقہ):

زمین کے انتہائی شمال و جنوب میں قطبین کے گرد تقریباً ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار میل چوڑے دو منطقے ہیں جنہیں ہم منطقہ باردہ شمالی اور منطقہ باردہ جنوبی کہتے ہیں۔ یہ منطقے دائرہ قطب شمالی اور دائرہ قطب جنوبی سے محدود ہیں یعنی قطب شمالی سے 23.50 درجے جنوباً اور قطب جنوبی سے 23.50 درجے شمالاً پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر سورج کی شعاعیں اس طرح پڑتی ہیں کہ قطب شمالی میں 6 مہینے تک سورج غروب نہیں ہوتا بلکہ افق پر نیچا نیچا ہمیشہ سامنے رہتا ہے۔ اور اس تمام عرصے میں یہاں دن بھی رہتا ہے۔ لیکن جن 6 مہینوں میں یہاں دن ہے ان میں قطب جنوبی پر رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ اور باقی چھ مہینے قطب شمالی میں رات اور قطب جنوبی میں دن رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر 21 مارچ تا 22 ستمبر قطب شمالی میں دن اور قطب جنوبی میں رات ہوتی ہے۔ پھر 22 ستمبر تا 20 مارچ قطب شمالی میں رات اور قطب جنوبی میں دن ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں سورج کی کرنیں نہایت ہی ترچھی پڑتی ہیں۔ جس کی بدولت

روشنی مدہم اور حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ ازیں سبب یہاں سخت سردی اور سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا نام بھی منطقہ باردہ (ٹھنڈا علاقہ) ہے۔

منطقہ معتدلہ:

منطقہ حارہ اور منطقہ باردہ کے درمیان یعنی 23.50 درجے عرض بلد سے لیکر 66.50 درجے عرض بلد تک یہ 43 درجے عرض بلد چوڑے تقریباً تین تین ہزار میل فضائی فاصلہ کے بمقدار دو منطقے شمال اور جنوب میں اور ہیں ان کا نام منطقہ معتدلہ شمالی اور منطقہ معتدلہ جنوبی ہے۔ ان منطقوں میں سورج کی کرنیں نیم ترچھی پڑتی ہیں۔ علاقائی نشیب و فراز، ساحل و صحرا، میدان اور پہاڑ کی تقسیم کے سبب کہیں سخت سردی کہیں گرمی اور کہیں اعتدال رہتا ہے، اسی وجہ سے نام بھی منطقہ معتدلہ رکھا گیا ہے۔

گرین لینڈ، الاسکا اور ابنائے بیرنگ سے پرے برفانی علاقوں میں جو لوگ رہتے ہیں انہیں اسکیمو بمعنٰی (کچا گوشت کھانے والے) کہتے ہیں۔ ان کا چہرہ چوڑا، چپٹا اور ناک چھوٹی تنگ ہوتی ہے۔ برف کی سلوں کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ مچھلی، والرس اور برفانی ریچھ کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کی چربی سے روشنی اور آگ کا کام لیتے ہیں۔ رینڈ یئر ان کا پالتو جانور ہے، اس کا گوشت کھاتے ہیں، دودھ پیتے ہیں اور کھال سے خیمے و کپڑے بناتے ہیں۔ ایک مدت تک یہ لوگ غیر مہذب تھے، امریکی اور یورپین کے آنے جانے سے کچھ مہذب ہو رہے ہیں۔

خشکی کے پہلو سے دنیا کی تقسیم

نام براعظم	رقبہ مربع میل	رقبہ کلومیٹر
براعظم ایشیاء مع مشرقِ وسطیٰ	17,212,000	44,579,000
براعظم شمالی امریکہ	9,365,000	24,256,000
براعظم یورپ	3,837,000	9,938,000
براعظم انٹارکٹیکا	5,100,000	13,209,000
براعظم افریقہ	11,608,000	30,065,000
براعظم جنوبی امریکہ	6,880,000	17,819,000
براعظم آسٹریلیا	2,968,000	7,687,000
کل حصہ خشک دنیا	56,970,000	148,429,000

کرۂ ارض کا خشک علاقہ (Area) سات بڑے حصوں پر منقسم ہے جنہیں ''براعظم'' کہتے ہیں۔

شمالی امریکہ کو خاکنائے پانامہ جنوبی امریکہ سے ملاتی تھی اور ایشیاء کو خاکنائے سویز افریقہ سے ملاتی تھی مگر اب دونوں خاکناؤں کو ابناؤں میں بدلا گیا ہے یعنی ان کو کاٹ کر نہریں بنادی گئیں جنہیں نہر پانامہ اور نہر سویز کہتے ہیں۔ اب یورپ کے بحری جہاز بحر اوقیانوس سے براستہ نہر پانامہ مختصر ترین راستے سے بحر الکاہل میں داخل ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف بحر ہند کے لیے براستہ نہر سویز داخل ہوتے ہیں جو کہ اب مختصر ترین راستہ ہے، ورنہ پہلے پہل تو یورپ اور امریکہ والوں کو پورے براعظم افریقہ کا چکر کاٹنا پڑتا تھا تب کہیں برصغیر اور مشرق بعید کے ملکوں میں ان کے جہاز پہنچ پاتے۔

آبی حساب سے دنیا کی تقسیم

دنیا کا خشکی حصہ 29.2 : فیصد

دنیا کا آبی حصہ 70.8 : فیصد

زمین کا بحری حصہ جس کا رقبہ تقریبا 13,93,97,000 مربع میل ہے، پانچ بڑے اجزاء پر مشتمل ہے۔

(1) بحر الکاہل یا محیط باسفیکی۔ اس کی وسعت 6,00,45,000 مربع میل ہے۔

(2) بحر اوقیانوس یا محیط اطلنطی یا بحر الظلمات، وسعت 2,96,30,000 مربع میل ہے۔

(3) بحر ہند کی وسعت 2,64,63,000 مربع میل ہے۔

(4) بحر منجمد شمالی، 54,26,000 مربع میل وسیع ہے۔ یہ قطب شمالی کے ارد گرد ہے۔

(5) بحر منجمد جنوبی 78,46,000 مربع میل وسیع ہے اور قطب جنوبی پر محیط ہے۔

ان پانچ بڑے ابحار کا کل رقبہ 129410000 مربع میل بنتا ہے باقی 9987000 مربع میل رقبہ چھوٹے بُحیروں، خلیجوں اور جھیلوں پر مشتمل ہے۔

آبنائے بیرنگ بحر الکاہل کو بحر منجمد شمالی سے. آبنائے باسفورس بحیرہ اسود کو بحیرۂ مارمورا سے اور آبنائے جبل الطارق بحیرہ روم کو بحر اوقیانوس سے ملاتی ہے۔

بحر، ساحل کے بعد فوراً گہرا نہیں ہو جاتا ہے بلکہ بتدریج گہرائی بڑھتی ہے۔ 600 فٹ گہرائی تک کے بحر کو ''بری زیر آب'' کہتے ہیں۔ اس کم گہرے سمندر میں سورج کی روشنی اور درجہ حرارت کے اثر سے ننھے ننھے جاندار یہاں بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ اس لیے یہاں ماہی

گیری بڑی اچھی ہوتی ہے۔ بری زیر آب کے بعد سمندر کی تہہ ایک دم ڈھلوان ہو جاتی ہے۔ جسے بری ڈھلوان کہتے ہیں۔ بحر کی گہرائی بھی خشکی کی بلندی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بحر کی گہرائی اوسطاً بارہ ہزار فٹ کے قریب ہے۔ لیکن یہ گہرائی ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی۔ کہیں کہیں گہرے غار بھی پائے جاتے ہیں، جنہیں ''بحری عمق'' یعنی بحری کھائیاں کہتے ہیں۔

زیرِ آب سرنگ:

اس جوہری زمانے میں ایسے آلات بنے ہوئے ہیں جن کی مدد سے سمندر کے اندر کی گفتگو سمندر سے باہر ریکارڈ کی جاسکتی ہے۔ جنگ عالمگیر ثانی کے دوران 1940ء میں سطح سمندر سے 5500 فٹ نیچے زیر آب ایک ایسے طبقے (Area) کا انکشاف ہوا جس میں آواز محفوظ رہتی ہے اس کا نام سوفار (Sound Fixing and Ranging Channel) ''محافظِ صوت سرنگ'' رکھا گیا۔ اوپر یا نیچے کسی کو معلوم ہوئے بغیر اس میں آواز کی لہریں دس ہزار میل تک جاسکتی ہیں۔ بشرطیکہ اس کی راہ میں کوئی جزیرہ یا پہاڑ حائل نہ ہو۔ مستقبل قریب میں زیرِ آب عالمی مواصلات کے لیے اس طبقے سے کام لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ''سوفار''، جنگی پیغام رسانی، آبدوزوں کی جنگ اور دشمن سے مخفی رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ان بڑے ابحار کے علاوہ چھوٹے بُحیرے اور خلیجیں بھی موجود ہیں مثلاً بُحیرہ عرب، بُحیرہ احمر، بُحیرہ ابیض، بُحیرہ اسود، بُحیرہ بالٹیک، بُحیرہ کیسپین، بُحیرہ بیرنگ، بُحیرہ جاپان، بُحیرہ بوفورٹ، خلیج فارس، خلیج بنگال، خلیج الاسکا، خلیج میکسیکو، خلیج بیفن اور خلیج ہڈسن وغیرہ۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے دریا تو بے شمار ہیں لیکن پوری دنیا میں سب سے لمبا دریا دریائے نیل ہے۔ جو بحیرہ روم میں گرتا ہے جس کی لمبائی نئی تحقیق کے مطابق تقریباً 4184 میل یا 6736.24 کلو میٹر ہے۔ برصغیر میں سب سے بڑا دریا، دریائے سندھ ہے جو کہ تبت سے نکلتا ہے اور لدّاخ، ضلع جموں و کشمیر سے ہوتا ہوا پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔ پنجند کے

مقام پر پنجاب کے دوسرے چار دریاؤں چناب، جہلم، راوی اور ستلج سے مل جاتا ہے اور کراچی کے قریب بُحَیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 1976 میل یا 3181.36 کلومیٹر ہے۔ واللہ اعلم۔

دنیا کی آبادی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کرۂ ارض پر تقریباً 25 کروڑ انسان بستے تھے۔ 1650ء میں یہ تعداد دوگنی ہو کر پچاس کروڑ ہو گئی۔ اور 1850ء میں مزید دوگنی ہو کر ایک ارب سے تجاوز کر گئی۔ 1930ء میں دنیا کی کل آبادی دو ارب تھی۔ 1970ء میں تین ارب پچاس کروڑ کے لگ بھگ ہو گئی۔ اقوامِ متحدہ کی آبادی کی کتاب (Population book1977) ء کے مطابق عالمی آبادی چار ارب بارہ کروڑ چالیس لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ ستمبر 2017 کو دنیا کی کل آبادی 7529415100 تھی۔ دنیا میں تقریباً ایک لاکھ نوے ہزار نفوس یومیہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آبادی بڑی تیزی سے زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔

آبادی میں زیادہ اضافہ جنوبی ایشیا (جہاں اس وقت دنیا کے تقریباً ایک تہائی لوگ آباد ہیں) خصوصاً بھارت، انڈونیشیا، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہو رہا ہے۔ 1965ء میں بھارت کی آبادی 48 کروڑ 70 لاکھ تھی جو اس وقت 2017 میں تقریبا ایک ارب بتیس کروڑ چھ لاکھ ساٹھ ہزار ہو گئی ہے۔

پاکستان میں آزادی کے بعد فروری 1951ء، فروری 1961ء، ستمبر 1972ء مارچ 1981ء اور 1998ء میں مردم شماریاں ہو چکی ہیں۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 8 کروڑ 37 لاکھ 82 ہزار تھی۔ یہ تعداد 1972ء کے مقابلے 28.28 فیصد زیادہ ہے۔ 2017ء میں مردم شماری کے غیر حتمی نتائج کے مطابق آبادی تقریباً 20.77 کروڑ سے متجاوز ہو گئی ہے تفصیل کچھ یوں ہے دیہی آبادی 13 کروڑ 21 لاکھ

89 ہزار، شہری آبادی 7 کروڑ 55 لاکھ 84 ہزار پر مشتمل ہے۔10 کروڑ 64 لاکھ 49 ہزار 322 مرد، 10 کروڑ 13 لاکھ 14 ہزار خواتین اور 10 ہزار 418 خواجہ سرا ہیں۔صوبہ پنجاب میں 11 کروڑ 15 ہزار 442 افراد، سندھ میں 4 کروڑ 70 لاکھ 87 ہزار 472 افراد، بلوچستان میں ایک کروڑ 20 لاکھ 45 ہزار 455 افراد، خیبر پختونخوا میں 3 کروڑ 5 لاکھ 25 ہزار 371 افراد آباد ہیں۔آزاد کشمیر اور گلگت میں تقریباً 60 لاکھ افراد آباد ہیں۔

اسلام آباد کی آبادی 21 لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔اگر یہ شرح اضافہ برقرار رہی تو ہمارے ملک کی آبادی 2022ء میں تقریبا 22 کروڑ کے قریب ہو جائے گی۔

دنیا کے تقریباً 56.3 فیصد لوگ ایشیا میں رہتے ہیں۔یورپ میں آبادی کا تناسب 12.1 فیصد، افریقہ میں 10.2 فیصد، جنوبی امریکہ میں 8.1 فیصد، سویت یونین میں 6.8 فیصد، شمالی امریکہ اور کینیڈا میں 6.5 فیصد ہے۔

2017 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی کا تفصیلی چارٹ:

دیہی آبادی	13 کروڑ 21 لاکھ 89 ہزار
شہری آبادی	7 کروڑ 55 لاکھ 84 ہزار
مردوں کی تعداد	10 کروڑ 64 لاکھ 49 ہزار 322
خواتین کی تعداد	10 کروڑ 13 لاکھ 14 ہزار
خواجہ سراؤں کی تعداد	10 ہزار 418
صوبہ پنجاب	11 کروڑ 15 ہزار 442
صوبہ سندھ	4 کروڑ 70 لاکھ 87 ہزار 472
صوبہ خیبر پختون خواہ	3 کروڑ 5 لاکھ 25 ہزار 371
صوبہ بلوچستان	1 کروڑ 20 لاکھ 45 ہزار 455
گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر	60 لاکھ
اسلام آباد	21 لاکھ
کل آبادی	20.77 کروڑ

آبادی کے لحاظ سے دنیا کے 10 بڑے ممالک

نمبر شمار	نام ملک	آبادی	تاریخ	دنیا کی کل آبادی کا فیصد
1	چین	1,401,390,000	07-02-2020	18.4%
2	انڈیا	1,354,640,000	07-02-2020	17.8%
3	امریکہ	332,623,000	07-02-2020	4.37%
4	انڈونیشیا	265,015,300	01-07-2018	4.37%
5	برازیل	212.610,000	07-02-2020	2.79%
6	پاکستان	207,773,740	01-09-2017	2.77%
7	بنگلہ دیش	168,062,000	07-02-2020	2.21%
8	نائجیریا	193,392,517	01-07-2016	2.54%
9	روس	146,877,088	01-01-2018	1.64%
10	جاپان	126,420,000	01-09-2018	1.66%

رقبے کے لحاظ سے دنیا کی بڑی بڑی مملکتیں

نمبر شمار	نام ملک	رقبہ مربع میلوں میں	رقبہ مربع کلو میٹر میں
1	روس	6,591,027	17,075,200
2	کینیڈا	3,854,082	9,984,670
3	امریکہ	3,717,727	9,631,418
4	چین	3,704,426	9,596,960
5	برازیل	3,285,618	8,511,965
6	اسٹریلیا	2,967,124	7,686,850
7	انڈیا	1,269,009	3,287,590
8	ارجنٹائن	1,068,019	2,766,890
9	قازقستان	1,048,877	2,717,300
10	سوڈان	967,243	2,505,810
11	الجیریا	919,352	2,381,740
12	کانگو	905,328	2,345,410
13	میکسیکو	761,404	1,972,550
14	سعودی عرب	756,785	1,960,582
15	انڈونیشیا	740,904	1,919,440

حبیبیات

اس عنوان کے تحت اس عاجز کے فنِ خطاطی اور شاعری و مرثیہ جات کے کچھ منتخب نمونے اہلِ ذوق کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

حمدِ باری تعالیٰ

کس قلم اور زبان سے کروں بیاں　　حمدِ خدا کہ ہے برتر از گماں
وہ ذاتِ اقدس جل جلالہٗ　　میں ایک بندۂ پُر قصور و ناتواں
اشجار و ابحار جو ہوں قلم و سیاہی　　گر کاتب ہوں، فرشتے جن و انساں
ہو جائے گی ختم، یہ ہر چیز مکرر　　اوصافِ رب لیکن رہیں گے تشنہ بیاں
ازل سے ہے موجود فقط ذات اس کی　　قائم و دائم تا ابد رہے گا بدیع جہاں
نہیں رکھتا شریکِ ذات و صفات　　ہو نہیں سکتا موصوف کوئی مثلِ سجاں
ہے تنہا و یکتا رحیم و کریم　　رزّاق و خلاّق، رؤف و رحماں
بحر و بر یا کہ ہو خشک و تر　　فضا و خلا، ماورآءِ آسماں
ہر مکان و زماں میں نشان　　ہے اس کی ذات و صفات کا عیاں
ہے بالا سمجھ سے یہ حکمت عجیب　　کہ ہے ہر ذرے میں ظاہر یہ پنہاں
ہر عاقل جو اپنی عقل پہ ہے نازاں　　لیکن تیری پہچان میں اب تک ہے حیراں
ہے یہی ایمان بالغیب کی حقیقت　　کہ ہوں پوشیدہ امور تسلیم بالجناں
بے نیاز ہے میری ثناء سے وہ بے شک　　ہے صمد صفت اس کی بہت عالی شاں
ہے پراسرار کائنات کا جو نقشہ　　پیدا نہیں یہ منظر بلا ریب رائیگاں
امتحان گاہ انس و جن ہے حبیبؔ　　بنا دے خدا تجھے کامیاب در امتحاں

خطاطی

اسمِ اللہ جل جلالہ

اسمائے مبارکہ

کلمہ طیبہ

خط کوفی

آیتِ مبارکہ (خطِ ثلث)

طغری

تسمیہ و کلمۂ طیبہ، بصورتِ کلاشنکوف

طغریٰ

کلمہ طیبہ بصورتِ نقشہ پاکستان

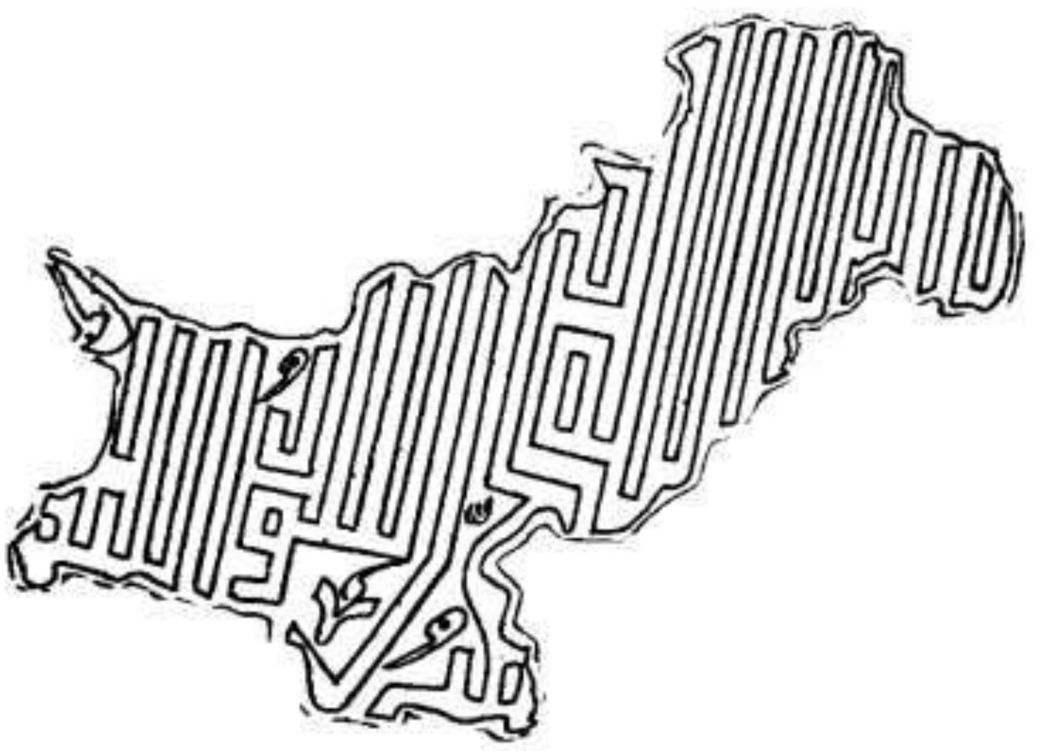

نام محمد ﷺ (خطِ ثلث)

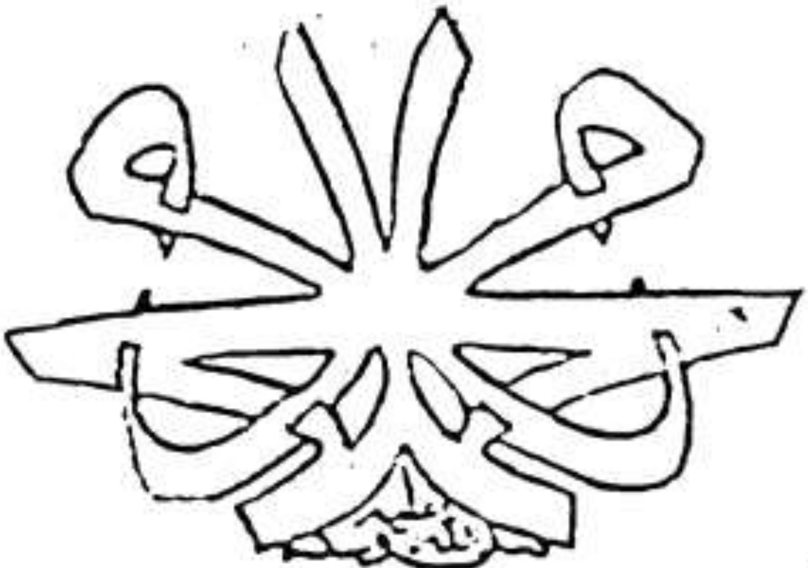

مرثیہ جات

وقتِ انتقال مولانا غلام سرور رحمہ اللہ

وقت انتقال الی الله ... مولانا غلام سرور عفا عنہ الواجد

حمد

ولادت: کان معمور الفتاح عمر الواجد　وفات: کان الماجد مغفور الفتاح

قال الواجد جل مجدہ: والسّٰبقون السّٰبقون ۵　اولٰئک المقربون ۵ فی جنّٰت النعیم ۵

جزٰئہ الملک: وجزٰیھم بما صبروا جنۃ وحریرا ۵

سال پیدائش:

د دنیا عمر لنگ ساعت دے　لکہ بانرہ پہ ستر کوکتہ راشی تیارہ شپنہ

سال وصال:

حین تفکرت فی ھجران المولود لنا　فقال الھاتف غفر ان المودود لنا

کان المرحوم حبیب اللہ طالع ھجرانہ　صار المغفور قریب اللہ نال غفرانہ

مخدوم مارا گشت رب اعلیٰ رفیق　شد مغفور بر رحمت اللہ غریق

سال تدفین:

مرحوم پہ غوڈ بابا جی شو لومات ملک الله　شو مسرا کیر پہ مصائب وبلیات الله

اوس ڈ غمزدہ زخمی خکر تسلی　کوم پہ لیکو ڈ بابا ابنکلی صفات الله

دام دعا دیرو صفا دہ تل مدام حبیبہ　چہ نصیب کرے بنیا لیتہ وافر نعمات الله

تاریخ کا لکھنے والا حبیب اللہ نعمانی بحساب ابجدی

شمسی وقمری تاریخ ولادت اور نام ابجدی　مستغفر المھیمن، مستعید بالحمید

ادعو الواسع جل مجدہ: رب اشرح لی　صدری ۵ ویسر لی امری ۵ الخ

ادعو الواحد جل جلالہ: توفنی مسلما　والحقنی بالصّٰلحین ۵

کنت حبیب اللہ اسما فی الحیاۃ　واسئل الباسط عفوا وقت الممات

کان حبیب اللہ اسمی فی الحیاۃ　فارجوا الله غفرانہ حبیبا بعد الممات

ہرچہ یہ عاجز ایک بندہ سیاہ کار تیرا　لیکن وہ ایک بخشش کا ہے امیدوار تیرا

ھائے افسوس دے چہ پیدا وے نہ پہ صفحہ نہانہ کبنی

خادم دے وے پہ نبکیا د ماحبیب: مدینہ کبنی

کتبہ بنام ... حبیب اللہ النعمانی ...

القصيدة السديدة

بسم الله الرحمن الرحيم

القصيدة السديدة

في ذكر الأوصاف الحميدة، للعلامة غلام سرور، أراحه الله في المرقد المنور

لقد سافر المرحوم بالتعجيل　　إلى رحمة الله الجليل

فيكون مسرورا هناك　　بفضل المنعم الوكيل

ولكن صار قلبي جريحا　　بفراق المشفق النبيل

لأنه كان لي أبا شفيقا　　وللتلاميذ كظل ظليل

فما كنت حزينا وحيدا　　بل الأحباب وكل خليل

فصارت كل عين باكية　　وقلب الكل كان كالعليل

لم لا تدمع العين الحزين　　وعين القوم ضم والتحصيل

كان المغفور في العلوم　　فريد ما له من مثيل

كان الحبر بحر للمعارف　　وقطرته شفاء للغليل

وزهد وتقوى كان أيضا　　وحيدا بلا ريب وقيل

فحياته قضى كثيرا　　صائم يوم قائم ليل

ولذا مات صائما مصليا　　فما وصفته بلا دليل

فادع الله له يا حبيب　　بأن يرى في مرغابه الجزيل

Z CAMERA

گلہاء تر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلہائے تر

در خدمت گل نور، مولانا غلام سرور، کہ گل شد چراغ منور

دریں دنیا کسے را نیست دوام
فرمان حق کل من علیہا فان
شاہ و گدا کہ امیر و فقیر
خم کرد سر تسلیم پیش فرمان
اطاعت اجل او کرد عجیب
شد حملۂ فالج بر او شدید
علوم عقلیہ و نقلیہ را جامع
خصوصا در علم حکمت ریاضی
اکتساب فیض او کرد دیگر
در ابیٹ احمد آباد و ہم کشمیر ہند
بست رخت سفر بعد ازاں
شد شرف تلمذ او را حاصل
عند شیخ عبد الخالق عبد الحق شریف و بشیر
چوں پاکستان شد طفل یکسال
پس از حصول علم ثمین
باز در انوار العلوم احمد آباد
وقت وصال بست بود ماہ شعبان
تاریخ مرقوم بابجد شد دریں دعا حبیب
تأثرات قلم و زبان

ہر زندہ را است مرگ انجام
آمدہ است برائے خاص و عام
رفتند بسے حتٰی کہ خیر الانام
پدرم بود غلام سرور بنام
کہ در نماز بروزہ بود نیک نام
گشت بے ہوش و لرزیدہ اندام
بود مرحوم بسیار فہیم
چنیں ماہر کہ گوئے بود امام
از پیر محمد عالم باشندہ بودہ نوگرام
اخذ علم کرد ازیں استاد علام
سوئے دیوبند برائے تحصیل تمام
از حسین احمد مدنی شیخ الاسلام
ابراہیم عبد السمیع و عزاز علی ہمہ سالہ کرام
کرد حاصل دستار فضیلت و اکرام
شد مفتیانِ دار العلوم را معاون مدام
گشت صدر المدرسین با احترام
چہار دہ صد و ہفدہ از ہجرت فخر الانام
بدعا او از جنت یابد شیریں مقام
عفا عنہ الرحمٰن

ازہارِ عقیدت برائے اظہارِ محبت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازہارِ عقیدت برائے اظہارِ محبت

آقائے نامور، علامہ غلام سرور، حفظہ اللہ من کل ضرر

کر گئے عالم با عمل اس دار سے سفر
دے گئے دکھ ہمیں زخم تلوار سے بدتر

تھی انکی بلا ریب ہمیں ضرورت شدید
لیکن نہ دی موت نے انہیں مہلت مزید

انکی حیات تھی مرا مثل شجر سایہ دار
کاش کہ ہوتی سدا نسل بشر پائیدار

اس ظلِ شفقت میں ہم خوب بڑے ہوئے
ہو گئے اس قابل کہ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہوئے

مصائب تو اپنی ذات پر بے حد اٹھا کر گئے
پر اپنی اولاد کو بے شک پڑھا کر گئے

خدا کرے انکا یہ کار خیر جاری رہے
نسل در نسل بلا تاخیر ساری رہے

جامعہ اسلامیہ آف بنسر آلائی
جسکی بنیاد بدست صاف تو نے لگائی

ہے یہ انکی عزت و رفعت کی نشانی
رہے اسکی قدر و عظمت جاودانی

یہ صدقہ رہے انکا تا قیامت جاری
سدا رہے جامعہ کی مجلس سلامت ساری

تابندہ رہے یہ منبع علم و عرفان
پائندہ رہے یہ مرجع خرد و کلاں

دعا میری یہ سدا رہے حبیب
فردوس انکو اب خدا کرے نصیب

- ۱ ۴ ۱ ھ

مصادر و مراجع

کتب تفسیر (عربی)

(1)قرآن كريم
(2) ابن كثير،أبو الفداء إسماعيل بن عمر(المتوفى: 774هـ)، تفسير القرآن العظيم، الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع، 1420هـ
(3) الألوسي،شهاب الدين محمود (المتوفى: 1270هـ) روح المعاني:الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت،الطبعة: الأولى، 1415 هـ
(4) البيضاوي، ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر (المتوفى: 685هـ) أنوار التنزيل وأسرار التأويل، الناشر: دار إحياء التراث العربي –بيروت ، 1418 هـ
(5)جصاص ابوبكر،احكام القرآن،مكتبه احياء التراث،بيرت

(اردو)

(1)دریاآبادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور 2001
(2)کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، فرید بک ڈپو، نیودہلی، انڈیا 2001ء
(3) مودودی، ابوالاعلی سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور 2001ج4 ص261

کتب حدیث و شروح حدیث (عربی)

(1) الصحيح البخارى
(2)ترمذى
(3) مصنف عبدالرزاق
(4) ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني،فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار المعرفة - بيروت، 1379
(5) بنوري،علامه،يوسف،معارف السنن

(6) شبیراحمد عثمانی،علامه، فتح الملهم،مکتبه دارالعلوم
(7) ملاعلی قاری، علي بن (سلطان) محمد،(المتوفى: 1014هـ) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، دار الفكر،بيروت – لبنان
(8) نووی، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ) شرح مسلم دار إحياء التراث العربي – بيروت

کتب فقہ (عربی)

(1)ابن نجيم:زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ) البحرالرائق،، ،الناشر: دار الكتاب الإسلامي
(2)الفتاوى الهندية، لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، ،الناشر: دار الفكر،الطبعة: الثانية، 1310 هـ
(3) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم۔ رؤية الهلال۔ مكتبة ادارة القرآن كراچی، پاكستان
(4)الشوكاني،محمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني (المتوفى: 1250هـ) نيل الأوطار
(5)زيلعي ،عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الالحنفي (المتوفى: 743 هـ) تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة
(6) شامی، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر الحنفي(المتوفى: 1252هـ)رد المحتار على الدر المختار،الناشر: دار الفكر-بيروت - 1992م
(7) قرارات مجلس المجمع الفقه الاسلامی:۶۶،ط۱۴۱۰ھ
(8)مختصر القدوری
(9)مجموعه فتاویٰ
(10) مرغینانی علي بن أبي بكر (المتوفى: 593هـ)هداية،الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان
(11) مراقی الفلاح، ط ،بولاق مصر
(12) طحطاوی ،طبع،بولاق مصر،

(13) وهبة الزحيلى،الفقه الاسلامى وأدلته: الناشر: دار الفكر - سوريَّة – دمشق

(اردو)

(1) آپ کے مسائل اوران کا حل از مولانا محمد یوسف لدھیانوی،
(2) حکیم الامۃ،اشرف علی،امداد الفتاوی ج ۲ ص ۸۸ مکتبہ دار العلوم کراچی
(3) فتاوی مولانا عبد الحي
(4) كشف الظنون عن حكم الخط و تیلیفون

متفرقات

(1) ثناء اللہ ندوی، محمد، ڈاکٹر، عربی اسلامی علوم اور مستشرقین، توحید ایجوکشین ٹرسٹ، کشن گنج بہار، انڈیا 2004ء
(2) ڈریپر جان ولیم، ڈاکٹر، معرکہ مذہب وسائنس، مترجم مولانا ظفر علی خان، الفیصل پبلشرز لاہور، 1995ء
(3) عہد نبوت کے ماہ وسال
(4) تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان۔
(5) شرح المہذب
(6) انسائکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۹۲ء، بعنوان کلینڈر، منصور پوری سلیمان قاضی، رحمۃ للعٰلمین، مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2006ء

کل انتالیس (39) کتب سے استفادہ کیا گیا۔